6

رسالت کے حقیقی تصور پر جامع آگاہی

رسالت کا حقیقی تصوّر

فلاح میں حائل دوسری بڑی گھاٹی

اولین فرصت میں فوری آگاہی کی اشد ضرورت

ابو عبداللہ

(رسالت کے حقیقی تصور پر جامع آگاہی)

تحریر نمبر:6

رسالت کا حقیقی تصور

(فلاح میں حائل دوسری بڑی گھاٹی)

(اولین فرصت میں فوری آگاہی کی اشد ضرورت)

ابوعبداللہ

(جملہ حقوق بحق مولف محفوظ ہیں)

نام کتاب: رسالت کا حقیقی تصور

تالیف: ابوعبداللہ

اشاعت اول: 2022، (1444ھ)

ہمارا عزم

(۱)۔فرقہ واریت اور تعصب و تنگ نظری سے چھٹکارہ ، (۲)۔اخلاص و سچائی کی ترویج، (۳)۔ قرآن و سنت کے پختہ دلائل کو بنیاد بنانا،(۴)سلف کے فہم سے استفادہ کرنا،(۵)۔احتیاط اور ذمہ داری کو ملحوظ رکھنا،(۶)۔اعتدال پر رہنا(۷)۔ہر پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے:'حق اور سچ کو من وعن واضح کرنا''۔

نوٹ

(۱)۔دیانتداری سے کوشش تو پوری کی گئی ہے کہ سچائی کو واضح کیا جائے۔لیکن انسانی کاوش خطا سے پاک نہیں۔اسلئے اگر کہیں کوئی خطا ہوئی ہوگی تو وہ دانستہ نہیں، بلکہ سہواً ہی ہوئی ہوگی۔لہٰذا اگر کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئے،کوئی بات قرآن وسنت سے عدم مطابقت پر نظر آئے تو ضرور مطلع فرمائیں ہم آپ کے بے حد ممنون ہوں گے۔اگر واقعتاً ایسا ہی ہوا تو انشاء اللہ ہم فوراً رجوع کریں گے۔اللہ ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔(آمین)

(۲)۔صالحین کا ادب واحترام ہم پر لازم ہے اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام کی عزت وتوقیر ایمان کی شرط ہے۔لہٰذا تصانیف میں ہم نے الفاظ کے چناؤ میں ہر ممکن ادب واحترام (Ethics) کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔لیکن شوشل میڈیا پر موجود مواد کو آسانی سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔لہٰذا اس ضمن میں ہمارے اس مواد میں کوئی بے ادبی پر مبنی قابل اعتراض الفاظ نظر آئیں،تو وہ یقیناً کسی نے ہماری تحریر میں تحریف کی ہوگی۔لہٰذا اس صورت حال میں ہم سے تصدیق کرنا ضروری ہے۔

☆ چونکہ اس مسودہ کی پروف ریڈنگ ابھی پوری طرح سے نہیں ہوسکی،لہٰذا الفاظی غلطیوں کیلئے پیشگی معذرت۔

انتساب!

اللہ عزوجل کے پیارے حبیب ﷺ کے نام جو حق اور باطل کے مابین فرق کا معیار ہیں، جو نعمت عظمیٰ ہیں، جو ہم پر اللہ کا احسانِ عظیم ہیں، جو مخلوقات میں اعلیٰ وافضل ہیں، نبی آخر واعظم ہیں، جنکی محبت ایمان کی شرط ہے، جنکی توقیر وتعظیم، ادب واحترام اور اطاعت واتباع کے بغیر فلاح ممکن نہیں۔

فہرست

انتہائی قابل غور.....5

ہدایت پانے کی بنیادی شرائط.....6

تحریر کا مقصد.....7

باب۱: رسالت کی اہمیت.....9

باب۲: انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد!.....12

باب۳: رسالت کے تقاضے.....16

باب۴: سنت کا جامع مفہوم.....56

باب۵: عظمت وفضیلت.....67

باب۶ : رسالت کی راہ میں حائل رکاوٹیں.....85

باب۷ :خلاصہ 138

☆ جلدی کریں.....143

☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند علماء حضرات سے استفادہ کی لسٹ.....144

☆ حق کی کاوش میں بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ.....145

☆ ہماری دعوت.....146

☆ ہماری اہم تحاریر.....147

انتہائی قابل غور!

تعصب وتنگ نظری اور فرقہ واریت کی انتہائی خطرناک بیماری کی موجودگی میں حق بات کو جاننا اور ماننا انتہائی مشکل بلکہ پہاڑ سر کرنے سے بھی دشوار ہوتا ہے۔اس خطرناک مرض کی بنا پر مکار ابلیس کو بے شمار چالوں کے ذریعے انسان کو قابو کرنے کا موقع مل جاتا ہے جو انسان کے قبولیتِ حق کی راہ میں حائل ہو کر اسکی منزل کھوٹی کر دیتی ہیں۔ان حالات میں انسان سچائی کو جاننے اور ماننے کیلئے آمادہ ہی نہیں ہو پاتا بلکہ اپنے ذہن و مسلک کے خلاف حق بات سے آگاہی سے شدید ناگواری محسوس کرتا ہے اور سچائی کی طرف رہنمائی کرنے والوں کا دشمن بن جاتا ہے۔

لہٰذا اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاتھ میں یہ تحریر ''امت مسلمہ کا اخلاقی زوال'' آپ کیلئے مفید ہو سکے، سچائی پر مبنی اس تحریر کے حقائق آپکی سمجھ میں آجائیں اور انہیں تسلیم کرنے کی توفیق آپ کو نصیب ہو جائے۔تو اس تحریر کے مطالعہ سے قبل ہماری مختصر تحریر ''**ھدایت**'' کا مطالعہ ضرور کر لیں تا کہ حق بات جاننے اور تسلیم کرنے کی راہ میں حائل مکار ابلیس کی چالیں آپ واضح ہو جائیں۔

ڈگری کی رکاوٹ

مذکورہ تحریر ''ہدایت'' میں راہِ ہدایت میں حائل بے شمار رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ یعنی دین پر بات کرنے کیلئے کسی مدرسہ سے سند یافتہ ہونا ضروری ہے، اس پر چند ضروری باتیں سمجھ لیں:

تحصیل علم کیلئے باقاعدہ کورسز کی افادیت سے تو انکار نہیں۔تحصیل علم میں جتنا زیادہ وقت دیا جائے، اسی قدر علم میں اضافہ ہوگا۔لیکن مقصد، علم ہے نہ کہ ڈگری۔دین کا علم سیکھنے کیلئے ڈگری شرط نہیں۔ڈگری کے بغیر بھی مختلف ذرائع (قرآن وسنت، استاد، تقاریر وتحاریر، شروح) سے علم سیکھا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہمارے اسلاف (ائمہ ومحدثینؒ) نے سیکھا۔اگر فرقہ واریت کی جگہ اسلام ترجیح ہو تو مدارس کی ڈگریاں مفید ثابت ہوں۔لیکن مدارس سے اپنے فرقے کے علاوہ باقیوں کی نفی کی ڈگری سے، کس خیر کی امید کی جاسکتی ہے؟ کس کی ڈگری مانیں گے اور کس کی نہیں؟ ہر کوئی اپنے فرقہ کی ڈگری کو عین حق، جبکہ باقی سب کی ڈگریوں کی نفی، بلکہ اپنے سوا باقیوں کو گمراہ قرار دیتا ہے۔حالانکہ سب صرف ونحو کی پیچیدگیوں سمیت قرآن، حدیث، فقہ، منطق..... سیکھ کر فارغ ہوتے ہیں۔

یاد رکھیں! حقیقی علم صرف اسے ہی نصیب ہوگا، جو مخلص ہوگا۔جس کا مقصد نہ فرقے، نہ دولت، نہ عزت نہ شہرت ہوگی، بلکہ اللہ کی رضا اور اسلام مقصود ہوگا۔

۞۞۞۞۞

ہدایت پانے کی بنیادی شرائط

ہدایت من جانب اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کن شرائط وضوابط اور اصولوں کی بنیاد پر کسی کے لئے ہدایت کی گرہ کھولنے یا نہ کھولنے کا فیصلہ کرتا ہے؟ اس ضمن میں دو بنیادی شرائط ہیں اور دو ثانوی:

بنیادی شرائط: (۱)۔ اخلاص وسچائی، اور (۲)۔ طلب وجستجو

ثانوی شرائط: (۱)۔ تمسک بالقرآن، اور (۲)۔ عقل ودانش کا استعمال

مذکورہ دو بنیادی شرائط پوری ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ خود ہی اگلی شرائط کی طرف انسان کو مائل کر دیتا ہے۔ جب تک یہ چار شرائط پوری نہ ہوجائیں، حقیقی ہدایت نصیب ہونے کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔

(۱)۔ اخلاص وسچائی: شیطان نے ساری انسانیت کو اغوا کر لینے، اچک لینے اور ذریت آدم کی جڑ کاٹ دینے کا دعویٰ کیا ہے، سوائے مخلص لوگوں کے، دیکھئے: (سورہ ص:82۔83)۔

اخلاص کا مطلب ہے کہ مقصد: (i)۔ اللہ کی رضا کا حصول یا (ii)۔ اخروی فلاح یعنی دوزخ کی آگ سے بچنا اور جنت کے حصول کے سوا کچھ اور نہ ہو۔ اور اخلاص نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مقصد:

(i)۔ مقام ومرتبہ اور عزت وشہرت ہو، (ii)۔ دولت ودیگر دنیوی مفادات ہو، اور (iii)۔ اسلام کی فکر کی بجائے اپنے گروہ، مسالک اور فرقوں کی آبیاری اور رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی بجائے دیگر شخصیات کی پیروی کی فکر ہونا۔ اخلاص کی غیر موجودگی میں ''علم وکاوش'' فائدے کی بجائے، قرآن و سنت کی غلط تاویل وتحریف کے ذریعے مزید ہلاکت وگمراہی کا باعث بنتا ہے۔

(۲)۔ طلب وجستجو: ہدایت صرف اسے ملے گی جو سچائی کیلئے فکرمند ہوگا۔ جس میں سچائی جاننے کی شدید پیاس اور تڑپ ہوگی۔ نہ کہ اسے جو مسلک پرستی اور اکابر پرستی کی زنجیروں میں جکڑا آنکھوں پر پٹی بندھی ہو۔

جیسے ہی یہ دو بنیادی شرائط پوری ہوجائیں گی، اس کے نتیجے اللہ تعالیٰ انسان کو اگلی شرائط پر عمل پیرا ہونے کی توفیق نصیب کر دے گا۔ یعنی پروردگار انسان کو ہدایت کے اصل منبع یعنی قرآن حکیم کی طرف لے آئے گا جس کے بغیر اندھیروں سے نکل کر روشنی کو پانا ممکن نہیں۔ پھر پروردگار چوتھی شرط یعنی: جمود، تعصب، جہالت، بغیر سوچے سمجھے اندھا دھند پیروی اور جامد تقلید..... کی بجائے عقل ودانش کے نورِ بصیرت کی طرف لے آئے گا۔ یوں ان چار شرائط کی تکمیل پر خوش نصیب انسان گمراہی کی زَد سے بچ کر اللہ کے ہدایت والے قانون سے بہرہ مند ہوکر سعادت کی راہ پر گامزن ہوجائے گا۔ اگر خدانخواستہ فرقہ واریت کی بنا پر معاملہ اسکے برعکس ہوا، تو پھر ابلیس اپنے تمام ہتھیاروں (چھ بنیادی اور دیگر بہت سے ثانوی جالوں) کے ذریعے یوں اچک لے گا کہ ہمیں کان وکان خبر تک نہ ہو پائے گی۔ ان حقائق کو دلائل کی بنا پر تفصیل سے جاننے کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''**ہدایت**''۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدالانبياء

والمرسلين و على آله وصحبه اجمعين اما بعد!

تحریر کا مقصد

اخروی فلاح انسان کا منطقی (Ultimate) ہدف یا ٹارگٹ (Goal) ہے۔ کامیابی سے اس ہدف کو پا کر مراد تک پہنچنے کی راہ میں درج ذیل تین بنیادی گھاٹیاں کھڑی ہیں:

(1)۔ **آخرت** کے مقابلے میں **دنیا پرستی** (دنیوی اغراض وشہوات کا رسیا بننا)

(2)۔ **رسالت** کے مقابلے میں **آبا پرستی /شخصیت پرستی** (یعنی مسالک، فرقے.....،علماء واکابرین..... کی اندھادھند غیر مشروط تقلید)

(3)۔ **توحید** کے مقابلے میں **شرک**

منزل کی راہ میں حائل بنیادی گھاٹیاں یہی تین ہیں۔ دیگر تمام گھاٹیاں انہیں تین بنیادی گھاٹیوں کے تحت پیدا ہوتی ہیں۔ ان تین عظیم حقائق (آخرت، رسالت اور توحید) کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر زندگی میں لانے والے خوش نصیب تو انشاء اللہ مراد کو پہنچ جائیں گے جبکہ ان تین مظبوط بنیادوں سے غفلت برتنے والے منزل کھودیں گے۔ اکثریت تو پہلی گھاٹی کو سر کرنے میں ہی ناکام ہوجائے گی۔ وہ چند لوگ جو دنیا پرستی کی پہلی گھاٹی کو عبور کر کے دین کی طرف پیش قدمی کریں گے، انہیں دوسری گھاٹی کا سامنا کرنا ہوگا۔ یعنی آبا کی بجائے رسولوں (علیہم السلام) کی راہ کو اپنانا ہوگا جو کہ انتہائی دشوار کام ہے۔ رسولوں کی راہ انبیاء علیہم السلام پر نازل کردہ کتابوں کی راہ ہے، جیسے ہمارے لئے قرآن حکیم ۔ رسالت کی گھاٹی کو عبور کرنے والے ہی حقیقت میں تیسری گھاٹی یعنی توحید کے مقابلے میں شرک کو

پار کرنے کے قابل ہوں گے۔اس تحریر میں دوسری بڑی گھاٹی یعنی ''رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی/ شخصیت پرستی پر ضروری رہنمائی دی گئی ہے۔ رسالت بمثل مینارہ نور ہے جو مراد تک رسائی کیلئے خالص روشنی مہیا کرتی ہے۔ جب تک رسالت پر صحیح ایمان نہ ہو اور اسکے بنیادی تقاضے پورے نہ کیے جائیں دین پر حقیقی معنوں میں عمل پیرا ہونا ممکن نہیں۔ چونکہ رسالت کا حقیقی تصور انسان کی نجات کا ضامن ہے اسلئے یہاں بھی ابلیس پوری قوت سے حملہ آور ہوگا تا کہ رسالت کے حقیقی تصور سے لوگوں کو دور کر کے دیگر بہت سی چیزوں میں الجھا دے۔اور حقیقتاً ایسا ہی ہوا ہے، رسالت کی اصل حقیقت سے دور کر کے ابلیس نے اپنا کام نکال لیا ہے۔

یہ تحریر گروہی تعصّبات اور افراط وتفریط سے بالاتر ہو کر رسالت کے ضمن حقیقی رہنمائی پر مبنی ایک منفرد کاوش ہے جو انشاءاللہ مکار ابلیس کی طاقتور چالوں کی کاٹ کر کے سعادت کی راہ کو واضح کر دے گی۔

۞۞۞۞۞

باب ا

رسالت کی اہمیت

خالق نے جن وانس کوتخلیق کر کے اسے عقل وشعوراورفہم وفراست کی دولت سے نواز کر معروف ومنکر کی پہچان اس میں ودیعت فرما کر امتحان وآزمائش کیلئے خطہ ارض پر بھیج دیا ہے۔معروف ومنکر وہ چیزیں ہیں جو جانی پہچانی ہیں جن کے غلط یا صحیح ہونے کی پہچان انسان کے اندر رکھ دی گئی ہے جیسے: سچائی،انصاف پسندی، دیانتداری، ہمدردی، ایثار وقربانی،جرئت و بہادری، اخوت وبھائی چارہ.....ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ اچھی چیزیں ہیں اوراسکے برعکس: جھوٹ،ظلم وناانصافی، دھوکہ وفریب، بزدلی،کسی کی عزت کو پامال کرنا، چوری ڈاکہ،قتل وغارت، دشمنی.....کے متعلق ہر کوئی جانتا ہے کہ یہ غلط کام ہیں۔

معروف ومنکر کی پہچان کی اس بنیادی ہدایت کے ساتھ انسان کیلئے تفصیلی ہدایت بھی ناگزیر تھی۔جس کیلئے خالق نے دین وشریعت کے تفصیلی احکامات یعنی تعلیمات وحی سے سرفراز فرما کر ہماری ہی جنس سے اپنے خاص نمائیندے انبیاء علیہم السلام بھیجے۔تاکہ تعلیمات وحی کا عملی نمونہ انسانوں کیلئے موجود ہو سکے۔لہٰذا ہم سے جو کام لیا جانا تھا اس کی تفاصیل اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ پیغمبروں پر نازل فرمائیں اوررسول ﷺ کی اطاعت کواپنی اطاعت قرار دیا،جیسا کہ فرمایا:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ﴾

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔''

انبیاء علیہم السلام پرایمان اورانہیں رہنما بنائے بغیر دین وشریعت پرعمل پیرا ہونا ممکن نہیں۔اسی لئے ہر نبی کی دعوت کا کلمہ جو کفر سے ایمان کی بنیاد تھا اس کا پہلہ حصہ توحید (لا الہٰ الا اللہ) جبکہ دوسرا حصہ زمانے کے نبی کی نبوت ورسالت کے اقرار پرمبنی ہوتا تھا جیسے ہمارے لئے ''محمد الرسول اللہ''

ہے۔رسالت بمثل مینارہ نور ہے جو مراد تک رسائی کیلئے خالص روشنی مہیا کرتی ہے۔رسالت کس قدر ضروری ہے، درج ذیل دلائل پر غور فرمائیں:

☆ ﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمo قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴾(سورہ آل عمران:32-31)

''(اَے نبی) فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تو بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔فرما دیجیے اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور اگر تم (اطاعت سے) منہ پھیر لو تو یقیناً اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

☆ ﴿فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo﴾ (سورۃ النساء۔آیت:65)

''تیرے رب کی قسم لوگ اس وقت تک صاحب ایمان نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں پھر آپ کے فیصلوں پر دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے سر بسر تسلیم کریں۔''

☆ ﴿ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ﴾(سورہ نور۔آیت:54)

''اور اگر تم رسول کی اطاعت کرو گے تو ہدایت یافتہ ہو جاؤ گے۔''

☆ ﴿وَمَاۤ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾(سورۃ الحشر۔آیت:7)

''اور جو رسول تمھیں دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے رُک جاؤ۔''

☆ ﴿وَیَوْمَ یَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰی یَدَیْهِ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِی اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِیْلًا o یٰوَیْلَتٰی لَیْتَنِیْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِیْلًاo﴾(سورۃ الفرقان۔آیت:28-27)

''اور جس دن ظالم اپنے ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے گا کہے گا اے کاش! میں رسول کی راہ پکڑتا ہائے افسوس اے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔''

☆ آپ ﷺ اپنے ہر خطبے کے آغاز میں لوگوں کو ان الفاظ میں تنبیہ فرماتے:

((وخیر الحدیث کتاب الله، وخیر الھدی ھدی محمد(ﷺ) وشر الامور محدثاتھا، وکل محدثة بدعة وکل بدعة ضلالة))

(ابن ماجہ، مقدمہ باب اجتناب البدع والجدل، رقم:45، مسلم)

''سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب کی ہے، اور سب سے بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور بدترین کام وہ ہیں جو (دین میں) نئے جاری کئے جائیں (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے تمام اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کی گئی انکار کس نے کیا؟ فرمایا: **((من اطاعنی دخل الجنة ومن عصانی فقد ابی))**۔

''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا''۔ (صحیح بُخاری ''کتابُ الاعتصام بالکتاب والسنة''، رقم:7280)

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: **((لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ))**

(شرح السنہ، کتاب الایمان)

''تم میں سے کوئی بھی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اسکی خواہش نفس اس چیز کے تابع نہ ہوجائے جو میں لے کر آیا ہوں۔''

ان دلائل سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ توحید سمیت دین کے دیگر عنوانات (عبادات، اخلاقیات ومعاملات) کی صحیح تفہیم اور عمل کیلئے رسالت ناگزیر ہے۔

✡✡✡✡✡

باب۲

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد!

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا ایک عمومی مقصد ہے اور ایک خصوصی۔عمومی مقصد تعلیمات وحی کو من عن لوگوں تک پہچانا اور اسکا عملی نمونہ بننا ہے۔جیسا کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کی بعثت کے عمومی مقصد کو یوں بیان کیا گیا:

﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ (آل عمران:3:164)

''یقیناً اللہ نے احسان کیا اہل ایمان پر کہ انہیں میں سے ان میں اپنا رسول مبعوث فرمادیا جو انہیں آیات پڑھ کر سناتا ہے،ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب کی تعلیم اور حکمت سکھاتا ہے۔اور اس سے قبل یہ سب کھلی گمراہی میں تھے۔''

یعنی اس احسانِ عظیم کا مقصود یہ تھا کہ قرآنی آیات کی تلاوت اور اسکی تعلیم وحکمت کی بدولت انسانیت کو اصل نور ہدایت سے بہرہ مند کر کے انکا حقیقی تزکیہ کیا جائے۔اور یہ بات بھی واضح کردی کہ اس قرآن کی تعلیم وحکمت سے بے بہرہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔اس آیت کریمہ کی روشنی میں قرآن پاک کی تلاوت،تعلیم وحکمت سے دور رہنا بعثت نبوی ﷺ کی صورت میں کیے گئے احسان عظیم کی احسان فراموشی کرنا ہے۔اللہ ہمیں بعثت مصطفیٰ کی حقیقی معنوں میں قدردانی کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

خصوصی مقصد: بعثت کے عمومی مقصد کا تعلق تو قرآنی تعلیمات کے ذریعے دین کے سارے عنوانات (توحید، عبادات، اخلاقیات، معاملات) کے تبین و تفہیم اور اس پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ہے۔ لیکن بعثت کا خصوصی مقصد انسانیت کو شرک کی دلدل سے نجات دلا کر اللہ کی وحدانیت اور اللہ کی معرفت کے نور سے سیراب کر کے لوگوں کو خالق کے ساتھ جوڑ کر قابل رشک بنانا ہے۔ جیسا کہ پروردگار نے تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد یوں بیان فرمایا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ (الانبیاء، آیت:25)

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ سے قبل کسی بھی رسول کو مگر انکی طرف یہی وحی کی گئی کہ نہیں کوئی معبود سوائے میرے پس تم میری ہی عبادت کرو۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾

(سورۃ النحل: آیت۔36)

''اور تحقیق ہم نے ہر اُمت میں رسول مبعوث فرمایا (اس مقصد کے تحت) کہ صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو''۔

قرآن کے بیان سے بلا شک وشبہ یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ بعثت انبیاء علیہم السلام کا بنیادی مقصد (۱)۔ لوگوں کو اللہ کی بندگی یعنی توحید عبودیت (الوہیت) پر لانا اور (۲)۔ طاغوت کی پیروی سے بچانا ہے۔

طاغوت: ہر وہ شے بشمول جن وانس، جمادات، شیاطین جو شیطان کی پوجا پر مائل کرے اور اللہ و رسول ﷺ کی راہ کی مخالفت پر اکسائے وہ طاغوت ہے۔ ہر وہ شخص یا گروہ یا ادارہ جس نے اللہ کے

مقابلہ میں سرکشی اختیار کی ہو طاغوت کہلاتا ہے۔ طاغوت انسان کی اپنی خواہش نفس بھی ہو سکتی ہے، شیطان اور دیگر مخلوقات بھی۔

امام الانبیاء ﷺ کی بعثت کے مقصد کو تخصیص کے ساتھ یوں واضح کیا گیا:

﴿هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ o﴾ (سورۃ صف، آیت۔9)

''وہی اللہ ہے جس نے مبعوث فرمایا اپنے رسول کو ہدایت (قرآن) اور دین حق (اسلام) کے ساتھ تا کہ اسے تمام ادیان پر غالب کر دے، خواہ شرک کرنے والوں پر یہ ناگوار ہی گزرے۔''

یعنی جو دین آپ ﷺ کو دیا گیا اس کی براہ راست زد مشرکین پر آئے گی اسلئے کہ آپ ﷺ کے دین کا بنیادی وصف ردِ شرک اور اثباتِ توحید ہی ہے جسے بڑے واضح انداز میں یوں بیان کیا گیا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَ لَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَیْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَیْهِ مَاٰبِ o﴾ (سورۃ الرعد، آیت:36)

''فرما دیجئے مجھے تو صرف اللہ کی بندگی کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے منع کیا گیا ہے کہ کسی کو اسکے ساتھ شریک ٹھراؤں اور اسی کی طرف میں دعوت دیتا ہوں اور اسی کی طرف لوٹنا ہے۔''

یہاں بہت تخصیص کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی دعوت کی بنیاد یعنی: اللہ کی بندگی کرنا، وحدانیت پر آنا اور شرک سے اجتناب کرنا واضح کیا گیا ہے۔ لہٰذا دین کے دیگر عنوانات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی محنت کی ترجیح توحید و شرک ہی رہی، چند دلائل ملاحظہ کریں:

☆ ایک آدمی نے آپ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کی دعوت کیا ہے؟ فرمایا:

﴿ادعو الی اللہ وحدہ الذی ان مسک ضر فدعوتہ کشف عنک والذی

ان ضللت بارض قفردعوته رد عليک والذی ان اصابتک سنة فدعوته أنبت عليک (مسند احمد، 64/5، صحیح الجامع الحدیث نمبر 98)

''ایک اللہ کی طرف بلاتا ہوں، اگر تجھے تکلیف پہنچے اور تو اس (اللہ) کو پکارے تو وہی تیری تکلیف دور کر دے گا، اگر ویران زمین میں گم ہو جائے اور تو اس کو بلائے تو واپس لا دے گا، اگر تجھے قحط سالی پہنچے اور تو اس کو پکارے تو وہ تیرے لیے اُگا ئے گا۔''

☆ آپ ﷺ نے جب معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف (گورنر بنا کر) بھیجا تو فرمایا:

((فليكن اول ماتدعو هم الى ان يوحدوا الله تعالٰى))

(بخاری، رقم:7372)

''پہلی چیز جس کی طرف تُو انکو دعوت دے وہ اللہ تعالیٰ کی توحید ہونی چاہئے۔''

پیغمبرانہ سنت تو یہی تھی لیکن افسوس کہ آج ہماری دعوت میں دنیا جہاں کے موضوعات ہوتے ہیں لیکن یہ بنیادی موضوع پر کم ہی بات ہوتی ہے۔!

☆ آپ ﷺ نے بادشاہ روم 'ھرقل' کو خط کے ذریعے درج ذیل طریقے سے دعوت توحید دی:

''..... اے اہل کتاب ایسے کلمے کی طرف آجاؤ جو ہمارے اور تمھارے لئے یکساں ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھرائیں اور ہم میں سے کوئی دوسرے کو رب نہ بنائے اور اگر پھر جاؤ تو گواہ رہنا ہم مسلمان ہیں۔''

(بخاری، کتاب بدء الوحی)

کتنی پیاری دعوت ہے جس کی بنیاد توحید سے محبت کے ساتھ ساتھ شرک سے اجتناب پر مرکوز ہے۔

اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

(توحید کا جامع تصور، باب ا)

باب ۳

رسالت کے تقاضے؟

رسالت کے ضمن میں ہمارے لئے وہ بات جسے جاننا سب سے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ رسالت کے تقاضے کیا ہیں؟ وہ کون سے تقاضے ہیں جو رسالت کے اقرار پر اہل ایمان پر لاگو ہوجاتے ہیں ؟ جنہیں پورا کئے بغیر ہمارا رسالت پر ایمان قابل قبول نہیں ہوتا؟ وہ کون سی چیزیں ہیں جن پر عمل کرنا ناگزیر ہے اور جن چیزوں پر عمل کئے بغیر ہمارا دعویٰ محبت باطل ہے اور ہم رب کی بارگاہ میں سرخرو نہیں ہوسکتے۔ اس حوالے سے لوگوں نے بہت ساری باتیں لکھی ہیں لیکن یہاں وہ ضروری باتیں واضح کی جائیں گی جن کو ملحوظ رکھے بغیر ہمارے کلمے کا دوسرا حصہ قابل قبول نہیں ہوگا۔ اس حوالے سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ صحیح تعلق کی درج ذیل چھ بنیادیں ہیں:

(1)۔ایمان لانا، (2)۔محبت، (3)۔عزت وتوقیر، (4)۔اطاعت واتباع، (5)۔غلو (حد سے تجاوز) سے اجتناب، اور (6)۔درود وسلام۔

اللہ کی توفیق سے ان کی ضروری وضاحت بیان کرتے ہیں۔

(1)۔ایمان لانا

اس بات کی گواہی دینا کہ: (اشهد انّ محمد اً عبد ہ ورسو له)۔ ''یعنی محمد اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔''

آپ ﷺ کو تاقیامت آخری نبی تسلیم کرنا، قرآن مجید کو آپ پر نازل کردہ آخری کتاب تسلیم کرنا۔

ان باتوں کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنا۔

''اقرار باالسا ن و تصدیق باالقلب''۔

(2)۔محبت

رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دل و جان سے محبت کرنا۔آپ ﷺ کو مخلوقات میں سے سب سے زیادہ عزیز رکھنا۔نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت ایمان کی شرط ہے۔دل و جان سے آپ ﷺ کو محبوب رکھنا لوازم ایمان میں سے ہے۔لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ آپ ﷺ سے کس نوعیت کی محبت کا تقاضا کیا گیا ہے۔لہٰذا محبت کی دو بڑی اقسام ہیں:

(۱)۔اضطراری محبت: یہ فطری محبت ہے جو کسی محرک کی بنا پر خود بخود ہو جاتی ہے۔یہ مثبت بھی ہو سکتی ہے اور منفی بھی جیسے:

شہوات سے محبت: مرد و عورت کے مابین، دیگر دنیوی مرغوبات عمدہ مکانات، گاڑیاں، بنگلے، میوہ و ثمرات، مال و دولت، اولاد.....وغیرہ

(۲)۔اختیاری محبت: جو فطری طور پر خود بخود نہیں ہوتی بلکہ اسے کسی تقاضے کی بنا پر اختیار کرنا پڑتا ہے۔عموماً اپنی طبع کے خلاف جا کر بھی حکم کی بنا پر اسے اختیار کرنا پڑتا ہے جیسے: دین کے احکامات پر عمل پیرا ہونا عموماً ہماری طبع کے خلاف ہے۔فجر کیلئے بستر اور نیند کو ترک کرنا، ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا، روزہ رکھنا، انفاق کرنا، عبادت کرنا، حرام سے بچنا، خواہشات کو قابو کرنا، جہاد کرنا.....اور سب سے مشکل یہ کہ اپنے ذہن و مسلک کے خلاف اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کو تسلیم کرنا۔یہ سب چیزیں انسانی طبع پر بہت بھاری ہیں۔لیکن کسی تقاضے، کسی حکم کے تحت انہیں عقلی طور پر اختیار کرنا پڑتا ہے۔اہل ایمان اپنی طبع کے خلاف جا کر یہ سارے مشکل عوامل بجالاتے ہیں۔محبتِ عقلی ان امور کو مقدم رکھنا ضروری قرار دیتی ہے جن کی ترجیح کا عقل تقاضا کرے، اگرچہ وہ امر خواہش نفس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔مثلاً بیمار آدمی کا کڑوی دوا سے محبت رکھنا محبتِ عقلی کی بنا پر ہے کیونکہ عقل اس کے فائدہ مند ہونے کا تقاضا کرتی ہے۔ اللہ عزوجل اور رسول ﷺ پر ایمان لانے کے بعد ایسی

اطاعت درکار ہے جو انتہائی گہری محبت، دل کی پوری آمادگی اور پورے انبساط قلب اور شرح صدر کے ساتھ ہو۔

لہٰذا نبی کریم ﷺ کے ساتھ جس محبت کا تقاضا کیا گیا ہے اس میں اختیاری محبت کا پہلو غالب ہے جو کہ بہت بڑا امتحان ہے۔اس مشکل امتحان کو پورا کرنے کے نتیجے میں آپ ﷺ کو دل و جان سے زیادہ محبوب رکھنے کی صحیح فطری محبت بھی پیدا ہوتی ہے۔اسکے برعکس ایسی جذباتی عقیدت و محبت جس میں اختیاری پہلو کا لحاظ نہ رکھا جائے۔اپنے پیدائشی من پسند ذہن و مسلک کے خلاف آنے والی تعلیمات کے سامنے اپنے آپ کو سرنگوں نہ کیا جائے تو پھر انسان شیطان کے قابو میں آجاتا ہے۔وہ پھر انسان کو محبت کی آڑ میں دھوکے میں مبتلا کر کے تباہی کے راستے پر گامزن کر کے اندھا کر دیتا ہے۔برصغیر پاک و ہند میں زیادہ تر صورت حال کچھ ایسی ہی ہے۔

اللہ و رسول ﷺ سے محبت کا تقاضا قرآن مجید میں یوں بیان کیا گیا۔

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝﴾ (سورۃ التوبہ، آیت 24)

''(اے نبی) کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمھارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے کنبے قبیلے اور تمھارے کمائے ہوئے مال اور وہ اتجارت جس کے مندے کا تمھیں خدشہ رہتا ہے اور وہ گھر جنھیں تم پسند کرتے ہو، اگر (یہ تمام چیزیں) تمھیں اللہ سے اور اسکے رسول ﷺ سے اور اسکی راہ میں جہاد سے زیادہ محبوب ہیں تو تم انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ لے آئے اور اللہ تعالیٰ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا''۔

اس آیت کریمہ میں اللہ مالک نے بڑے واضح اور دوٹوک انداز میں یہ بات کھول کر بیان فرمادی ہے کہ اگر دنیا کی چیزوں سے محبت اللہ جل جلالہ، اس کے رسول ﷺ اور جہاد کرنے سے زیادہ ہے تو پھر عذابِ الٰہی یا موت کا انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ لے آئے۔ یہ قرآن مجید کا بڑا سخت حکم ہے جس کی زد میں اکثر لوگ آچکے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے اُمتِ مسلمہ پر اپنا خصوصی فضل فرمائے اور ہماری راہ نجات کی طرف رہنمائی فرمائے (آمین)۔

نبی اکرم ﷺ سے محبت کو یوں متعین کیا گیا:

﴿ اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَ اَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ ﴾ (سورۃ الاحزاب، آیت:6)

''نبی (ﷺ) کی ذات اہل ایمان کیلئے انکی اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز (مقدم) ہے اور پیغمبر (ﷺ) کی بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں۔''

یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اہل ایمان کی اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھنے کا تقاضا کیا ہے۔ یعنی ایک حقیقی مومن اپنی جان سے بھی زیادہ آپ ﷺ سے محبت کرنے والا ہوتا ہے۔ آنحضور ﷺ سے محبت کس قدر ضروری ہے چند احادیث ملاحظہ کیجئے:

☆((عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یو من احد کم حتی اکو ن احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین))۔ (صحیح بخاری، کتاب الایمان)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص کامل مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کے والد، اولاد اور سب لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔''

☆((عن انس عن النبی ﷺ قا ل ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ و رسولہ احب الیہ مما سو ا ھما وا ن یحب المر ء لا یحبہ الا للہ و ان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار)).

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، مسلم)

''حضرت انس ﷺ سے روائت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین اشیاء جن میں پائی جائیں وہ ایمان کی حلاوت پائے گا (۱) اللہ اور اس کا رسول ﷺ جسے ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ (۲) جس کسی سے محبت کرے صرف اللہ ہی کے لئے محبت کرے (۳) اور کفر کی طرف لوٹنا ایسا ہی برا جانے جیسے دوزخ میں پڑنے کو برا جانتا ہو۔''

معلوم ہوا اگر کسی کے دل میں حضور اقدس ﷺ کی محبت اپنے تمام اعزہ و اقارب اور تمام انسانوں سے بڑھ کر جاگزیں نہیں ہوئی تو وہ شخص حقیقتاً مومن نہیں یعنی اُسے صحیح معنوں میں وہ ایمان ہی حاصل نہیں ہوا جو اللہ کے ہاں معتبر ہو۔

خالق سے محبت: اس ضمن میں پروردگار نے فرمایا:

﴿وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ﴾ (سورۃ البقرہ۔آیت:165)

''اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ جل جلالہ کی محبت میں بڑے شدید ہوتے ہیں''

یعنی اللہ سے محبت تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہونی چاہیے اور مزید یہ کہ نبی کریم سمیت دیگر تمام مخلوقات سے محبت اللہ کی وجہ سے ہونی چاہیے، اللہ ہی کی وجہ سے دوستی اور اللہ کی ہی وجہ سے دشمنی (الحُب للہ والبغض للہ)۔

یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ آپ ﷺ سے محبت کا بنیادی تقاضا آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع پر ہے۔ تمام مخلوقات حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھنے کا حکم اسی بنیادی تقاضے کی بنا پر ہے کہ اپنے من پسند ذہن و مسلک سمیت ہر چیز کو آپ ﷺ کے احکامات کے تابع کر دیا جائے جو کہ نہیں ہیں (الا ماشاء اللہ)۔ اگر اطاعت و اتباع کا حقیقی جذبہ موجود نہیں تو محبت محض ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ ایسی محبت جس میں آپ ﷺ کے نام پر قربان ہونے کے نعرے بلند کئے جائیں، آپ ﷺ کے نام پر آنسو بہائے جائیں لیکن اپنے ذہن و مسلک کے خلاف نبی کریم ﷺ کی تعلیمات سے چشم پوشی، اعراض اور غلط تاویل و تحریف کر کے اپنے اپنے اکابرین کی اندھی و جامد تقلید پر قائم رہا جائے، بہت بڑا دھوکہ ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی محبت کے چند مشہور واقعات

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کامل الایمان تھے اور دِل و جان سے زیادہ آپ ﷺ کو عزیز رکھتے تھے، سب سے بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت کرتے تھے، چند واقعات پیش خدمت ہیں۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

''جب مدینہ کی طرف آنحضور ﷺ نے ہجرت فرمائی تو راستے میں آپ ﷺ کو پیاس لگی، اچانک راستے میں ایک چرواہا ملا، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے ایک پیالہ لیا اور اس میں تھوڑا سا (بکری کا) دودھ دوہا اور آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ آپ ﷺ نے اتنا دودھ نوش فرمایا کہ میرا دل خوش ہو گیا۔''

(صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار)

اِسی طرح سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے آپ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنے باپ کے مسلمان ہونے کی بہ نسبت آپ کے چچا ابوطالب کے مسلمان ہونے کی زیادہ تمنا ہے اسلئے کہ آپ کو اس سے زیادہ خوشی ہوگی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ نے کہا ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے جبکہ حضور ﷺ عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ میری جان کے سوا ہر شے سے مجھے زیادہ محبوب ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے (تم کامل الایمان نہیں ہو سکتے) حتیٰ کہ تمھاری جان سے بھی میں زیادہ محبوب ہوں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا اللہ کی قسم! اب آپ میری جان سے بھی زیادہ مجھے محبوب ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اب اے عمر۔''

(صحیح بخاری، کتاب الایمان والنذر)

یعنی اے عمر رضی اللہ عنہ تمہارا ایمان کامل نہیں جب تک کہ تیری جان سے بھی میں تجھے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے یہ اقرار کر لیا تو فرمایا اب تمھارا ایمان کامل ہوا ہے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ

''حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی دی جانے لگی تو مشرکین نے پوچھا کیا تجھے گوارہ ہے کہ تیرے بجائے (خدانخواستہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم پھانسی سے بچ جاتے تو اُنھو ں نے کہا خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کانٹا بھی چبھ جائے۔ اس پر مشرکین نے قہقہ لگایا۔'' (طبرانی:259/5)

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روائت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لانے کے بعد ان کے ہاں مہمان ٹھرے، آپ نے نچلی منزل میں قیام فرمایا اور سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ اوپر والی منزل میں تھے۔ ابوایوب رضی اللہ عنہ آپ کیلئے کھانا تیار کرتے، جب (خادم) کھانا واپس لاتا تو ابوایوب رضی اللہ عنہ خادم سے پوچھتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں کھانے میں کہاں کہاں لگی ہیں؟ ابوایوب رضی اللہ عنہ بھی اسی جگہ انگلیاں رکھ کر کھانا کھاتے۔''

(صحیح مسلم کتاب الاشربہ)

مدینہ والوں کی محبت

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے پاس مدینہ میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مکتوم رضی اللہ عنہ آئے۔ وہ دونوں لوگوں کو قرآن پڑھایا کرتے تھے، پھر حضرت بلال، سعد بن وقاص اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم آئے، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس صحابہ کو ساتھ لئے ہوئے آئے، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر تشریف لائے۔ میں نے مدینہ والوں

کو کسی بات سے اتنا خوش نہیں دیکھا جتنا رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے سے وہ خوش ہوئے، لونڈیاں تک کہنے لگیں اللہ کے رسول ﷺ تشریف لائے ہیں۔''

(صحیح بخاری کتاب المناقب)

---

(3)۔عزت وتوقیر

اللہ تعالیٰ بڑا قدر دان ہے، وہ اپنے خاص بندوں کی بڑی قدر کرتا ہے۔ جو اسکے خاص بندے ہیں ان کا رب کے ہاں بڑا مقام ہے، پروردگار ان کا اعزاز واکرام کرتا ہے جیسا کہ فرمان ہے۔

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ۝﴾

(سورۃ المنافقون، آیت 8)

''اور عزت تو صرف اللہ کے لئے، اسکے رسول ﷺ کے لئے اور ایمان والوں کے لئے ہے، مگر منافقوں کو اسکا علم نہیں''

﴿اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۝﴾ (سورۃ الفتح، آیت 8-9)

''اور ہم نے تجھے گواہی دینے والا، بشارت دینے والا اور ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے تا کہ تم لوگ اللہ و رسول پر ایمان لاؤ، انکی تعظم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کے نام کی تسبیح بیان کرو۔''

ہمارے پیارے رسول ﷺ کی توقیر وتعظیم کے خاص ضابطے رب نے مقرر فرمائے ہیں کیونکہ آپ ﷺ اللہ کے حبیب ہیں، رحمۃ اللعلمین ہیں، اس کے خاص رسول ﷺ ہیں جنھیں پروردگار نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے مبعوث فرمایا ہے۔ بات کو سمجھنے کے لئے قرآن مجید سے رہنمائی لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں سے کس نوعیت کا ادب واحترام اور توقیر وتعظیم مطلوب ہے،

صرف دو واقعات پیشِ خدمت ہیں:

(۱)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنحضور ﷺ کو ''**راعنا**'' یعنی ہمارا لحاظ یا خیال کیجیئے کے الفاظ کے ساتھ اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ یہودی اپنے بغض وعناد کی وجہ سے اس لفظ کو تھوڑا سا بگاڑ کر ''**راعینا**'' (ہمارے چرواہے) کہتے جس کی بنا پر پروردگار نے اِس لفظ کو ہی تبدیل کروادیا اور ارشاد فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا وَ لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌo﴾ (سورۃ البقرہ۔آیت:104)

''اے اہلِ ایمان! تم (نبی ﷺ) کو ''راعنا'' نہ کہا کرو بلکہ ''انظرنا'' کہو اور توجہ سے سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔''

یوں پروردگار نے بہتر لفظ **انظرنا** (ہماری طرف نظر فرمایئے) عطا کیا اور حکم دیا کہ بات توجہ سے سنو کہ اس بات کی نوبت ہی نہ آئے کہ تمہیں دوبارہ پوچھنا پڑھے اور انکار کرنے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید سنائی۔ معلوم ہوا آنحضور ﷺ کے بارے میں بات کرتے ہوئے بہت احتیاط کرنی چاہیے۔

(۲)۔ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی بارگاہ میں تشریف فرما تھے کہ کسی معاملہ میں آپس میں گفتگو کے دوران آواز رسول اللہ ﷺ کی آواز سے بلند ہوگئی جس پر درج ذیل آیت نازل ہوئی:

﴿ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَo﴾

(سورۃ الحجرات۔آیت:2)

''اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی (ﷺ) کی آواز سے بلند نہ کرو اور نہ ان سے اونچی آواز سے بات کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

تمہارے اعمال اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔''

اُمید ہے قارئین پر حقیقت واضح ہو چکی ہوگی۔ بظاہر بات اتنی بڑی نہ تھی اسکے باوجود بھی اتنی سخت وعید نازل ہوئی۔ عام آدمی اگر ان چیزوں کا لحاظ نہ رکھے تو اس کے پلّے کیا رہ جائے گا؟۔ انبیاء ورسل کو اللہ کی شان کے مقابلے میں نعوذ باللہ چمار وغیرہ سے تشبیہ دینے والوں کے لئے بہت بڑی عبرت ہے۔

پس آپ ﷺ کی نافرمانی کرنا، حکم عدولی کرنا یا دینی رائے کو پس پشت ڈال دینا تو بڑی دور کی بات ہے، جس کے معصیت ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ محض یہ سوئے ادب کہ آنحضور ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنے میں بے احتیاطی پر اتنی سخت تنبیہ کی گئی ہے کہ بے ادبی پر سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے، تمام نیکیاں برباد ہو جائیں اور ہمیں خبر تک نہ ہو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ آنحضور ﷺ کی آواز سے آواز بلند ہونے پر اعمال کے اکارت ہونے کی وعید ہے تو آنحضور ﷺ کی بات کو ترجیح نہ دینا اور دوسرے لوگوں کی بات کو آپ ﷺ کی بات پر ترجیح دینا اور آپ ﷺ کی تعلیمات سے غفلت برتنا کیا اس سے بڑے خسارہ کا باعث نہ ہوگا۔؟ تفسیر ابن کثیر میں حضرت عوفی رحمہ اللہ، حضرت ضحاک رحمہ اللہ، حضرت مجاہد رحمہ اللہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی رائے بیان کی گئی ہے کہ جو اللہ و رسول ﷺ کی بات پر باقی لوگوں کی بات کو مقدم رکھے وہ اسی وعید میں داخل ہے۔ پس وہ لوگ جو اپنے اعمال اکارت ہونے سے بچانا چاہتے ہیں جلد از جلد اپنے آپ کو اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کے سامنے پیش کر دیں۔ دین میں اپنی مرضی کرنا چھوڑ دیں۔ اللہ و رسول ﷺ کی بات ہمارے ذہن و فکر کے خلاف ہو تب بھی اسے قبول کر لیں ورنہ خسارت و ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

ایمان کی تازگی کیلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چند واقعات پیش خدمت ہیں:

(i) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جب رسول اللہ ﷺ پر وحی نازل ہوتی تو

آپ ﷺ اپنا سر مبارک جھکا لیتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اپنے سر جھکا لیتے، جب وحی ختم ہو جاتی تو رسول اللہ ﷺ اپنا سر مبارک اٹھا لیتے (تو صحابہ کرام بھی اپنے سر اٹھا لیتے)
(مسلم شریف، کتاب الفضائل)

(ii) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں اور (میرے والد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی غرض سے حاضر ہوئے، لیکن آپ ﷺ دوپہر کے وقت سو رہے تھے لہٰذا ہم (بغیر ملے ہی) گھر واپس لوٹ آئے۔ (بخاری شریف، کتاب مناقب الانصار)

(iii) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور انکے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک منہ زور اونٹ تھا جو بار بار نبی اکرم ﷺ کے اونٹ سے آگے نکل جاتا۔ یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبداللہ رضی اللہ عنہ کو آواز دی: عبداللہ! نبی اکرم ﷺ سے آگے کوئی نہ بڑھے۔ (بخاری شریف، کتاب الھبۃ)

قرآن وسنت کی تعلیمات سے یہ بات واضح ہوئی کہ آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم کے حوالے سے درج ذیل باتوں کو ملحوظ خاطر رکھنا از حد ضروری ہے۔

i)۔ آپ ﷺ کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے سخت احتیاط کی جائے۔ ادب واحترام کو ہر ممکن ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ دل وجان سے آپ ﷺ کو عزیز رکھا جائے۔

ii)۔ دینی معاملات میں جب آپ ﷺ کی رائے یا حکم واضح ہو جائے تو فوراً اُسے تسلیم کر لیا جائے اور کسی اور کی بات کو آپ ﷺ کی بات پر ہرگز ترجیح نہ دی جائے مبادا کہ سب کچھ اکارت ہو جائے۔

نوٹ: قرآن مجید میں بعض مقامات پر ضرورت وحکمت کے تحت لوگوں کو حد سے تجاوز اور شرک سمیت دیگر غلط نظریات سے بچانے کیلئے نبی کریم ﷺ کے حوالے سے بعض مقامات پر سختی بھی کی گئی

ہے۔ان مقامات سے رہنمائی لیتے ہوئے بھی ہماری نیت درست ہونی چاہئے۔ایسے مقامات سے درست نیت سے جو صحیح نتیجہ نکلتا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔کسی غلط نیت سے تحقیر کے پہلو کی طرف جانے سے ہر ممکن گریز کرنا چاہئے۔دوسری طرف یہ موقف کہ ایسی آیات کو بطور رہنمائی دلیل ہی نہ بنانا،اس سے بھی بچا جائے۔کیونکہ ایسا کرنا خالق کے ساتھ پنجہ آزمائی تصور ہوگا اور مزید یہ کہ اعتدال کی راہ سے ہٹ جائیں گے۔لہٰذا حسن نیت کے ساتھ قرآن کی ساری تعلیمات سے مستفید ہوا جائے۔مزید یہ کہ گاہے بگاہے ہر وقت اس قسم کی آیات کو موضوع سخن بھی نہیں بناتے رہنا چاہئے، مگر جب مذکورہ حوالے سے رہنمائی درکار ہو۔

---

(4)۔اطاعت واتباع (سب سے اہم تقاضا)

رسالت کے تقاضوں میں سب سے بڑا تقاضا ''اطاعت واتباع'' کا ہے۔رسالت کے دیگر تمام تقاضوں: ایمان، محبت، عزت وتوقیر، درودوسلام، غلو سے اجتناب کی بنیادی غایت یہی ہے کہ آپ ﷺ کی حقیقی معنوں میں اطاعت واتباع اختیار کی جائے۔تمام مخلوقات حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب رکھنے کا حکم اسی بنیادی تقاضے کی بنا پر ہے کہ اپنے من پسند ذہن ومسلک اپنی خواہش نفس، گروہ، فرقے، شخصیات، امام، پیر حضرات سب کو آپ ﷺ کے تابع کر دیا جائے جو کہ نہیں ہیں (الا ماشاءاللہ)۔اگر اطاعت واتباع کا حقیقی جذبہ موجود نہیں تو پھر سب دھوکہ ہے۔اسی لئے آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بعد قرآن مجید میں سب سے زیادہ جس چیز پر زور دیا گیا ہے وہ آپ ﷺ کی اطاعت واتباع یعنی آپ ﷺ کی پیروی کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾

(سورہ آل عمران۔آیت:31)

''(اَے نبی) فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا۔''

اللہ تعالیٰ نے زبانی دعویٰ محبت کو آپ ﷺ کی اتباع کے ساتھ مشروط کیا ہے یعنی اگر محبت ہے تو اسکی تصدیق اتباع سے ہوگی، اگر اتباع نہیں تو محبت نہیں۔ اس سے اگلی آیت میں بات کو مزید واضح کیا گیا چنانچہ فرمایا:

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَo﴾

(سورہ آل عمران۔ آیت:32)

''اے نبی انکو فرماؤ اطاعت کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا''

اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی مسلمانوں کی صفت نہیں بلکہ کفار کی صفت ہے۔ آپ ﷺ کی اطاعت سے روگردانی سے تو ایمان جانے کا خطرہ ہے، کہاں عشق رسول ﷺ کے بلند و بانگ دعوے اور ذہن و مسلک کے خلاف فرامین رسول ﷺ سے روگردانی۔؟ اللہ ہم سب کو معاف فرمائے اور ہماری حفاظت فرمائے۔ جس طرح ابلیس کو قرآن کی رسمی تلاوت، اسے چومنے سے کوئی بڑا مسئلہ نہیں، بلکہ ابلیس کو اصل تکلیف قرآن کو سمجھنے، اسے ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اسم گرامی کو چومنے، آپ ﷺ کے نام پر آنسو بہانے سے ابلیس کو زیادہ مسئلہ نہیں بلکہ اسے بڑی تکلیف آپ ﷺ کی تعلیمات کو تسلیم کرنے پر ہے۔ تاہم قانون کے دائرے میں تعظیم و توقیر اور ادب و احترام بھی انتہائی ضروری ہے، جسے ہر صورت ملحوظ رکھنا ہے۔

لغت کی شہرۂ آفاق کتاب ''لسان العرب'' کے مطابق: اطاعت سے مراد ''سر تسلیم خم کر دینا اور ہر حکم کی تعمیل کرنا ہے''۔ اطاعت کا مطلب ہے دل تسلیم کرے یا نہ کرے بات ماننی ہی ماننی ہے جبکہ اتباع یہ ہے کہ خوشدلی سے، جذبہ محبت سے بات تسلیم کرنا جو کہ اصل مطلوب ہے۔

گمراہی سے بچنے، ہدایت پر گامزن رہنے اور نجات کے لئے آنحضور ﷺ کی پیروی کرنا کس حد تک ضروری ہے، دلائل ملاحظہ کریں:

☆ ﴿فَلا وَ رَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَاشَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَایَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًاo﴾ (سورۃ النساء۔آیت:65)

''تیرے رب کی قسم لوگ اس وقت تک ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ ﷺ کو حاکم تسلیم نہ کرلیں پھر آپ ﷺ کے فیصلوں پر دلوں میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے سربسر تسلیم کریں۔''

غور کیا جائے تو یہ ایک آیت کریمہ ہی حقیقت پر آنے کیلئے کافی ہے۔ یہاں اللہ نے قسم کھا کر اس حقیقت کو پرزور طریقے سے واضح کر دیا ہے کہ اس وقت تک کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک وہ نبی کریم ﷺ کو فیصلہ کن تسلیم نہ کرلے بلکہ جو فیصلہ جو حکم نبی کریم ﷺ کی طرف سے آجائے اسے ماننے میں حیل وحجت، قیل وقال اور تنگی محسوس نہ کرے۔ کہاں یہ تقاضا اور کہاں ہماری اندھی وجامد تقلید اور آباپرستی کی صورت حال۔!

☆ ﴿وَ مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّ لَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًاo﴾ (سورۃ الاحزاب۔آیت:36)

'جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں فیصلہ کر دیں تو پھر کسی مومن مرد یا عورت کو اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں رہتا اور جو کوئی اللہ ورسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔''

کیا ہمارا طرز عمل اس آیت کریمہ کے مطابق ہے یا ناموافق.....؟

☆ ((لا یومن احدکم حتیٰ یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ))

''تم میں سے کوئی شخص ایمان والا نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ اسکی خواہش نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔'' (مشکوٰۃ، شرح السنہ، کتاب الایمان، حدیث نمبر:104، امام نووی نے صحیح کہا)

بات بالکل واضح ہے کہ عشق رسول ﷺ تو دور کی بات ہے انسان تو ایمان والا ہی نہیں ہوسکتا جب تک: اپنی خواہش نفس، من پسند ذہن ومسالک، گروہ، فرقے، شخصیات، امام، پیر حضرات سب کو آپ ﷺ کے تابع نہ کردیا جائے۔

☆ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میرے تمام اُمتی جنت میں جائیں گے سوائے اس کے جس نے انکار کیا عرض کی گئی انکار کس نے کیا؟ فرمایا :((**من اطاعنی دخل الجنة و من عصانی فقد ابی**)) ''جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے انکار کیا''۔ (صحیح بُخاری ''کتابُ الاعتصام باالکتاب االسنۃ'' حدیث نمبر 7280)

ان ضروری دلائل سے آگاہی کے بعد اب ہم رسولوں علیہم السلام کی اطاعت واتباع کے مدمقابل بیان کردہ اصطلاحات سے آگاہی حاصل کرتے ہیں۔

<u>اصطلاحات:</u> چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں، دن کا تصور رات کے ساتھ، روشنی کا اندھیرے کے ساتھ۔ خوشی کا غمی کے ساتھ..... اسی طرح رسالت (اطاعت و اتباع) کی ضد سے آگاہی رسالت پر گامزن ہونے میں معاون ہوسکتی ہے۔ قرآن حکیم نے اس ضمن میں مختلف اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ ایک جگہ رسالت کے مقابلے میں یعنی اسکی ضد کیلئے ''آبا پرستی'' کی اصطلاح استعمال کی ہے، جیسا کہ فرمایا:

﴿ وَ اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ تَعَالَوۡا اِلٰی مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَی الرَّسُوۡلِ قَالُوۡا حَسۡبُنَا مَا وَجَدۡنَا عَلَیۡهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا وَّ لَا یَهۡتَدُوۡنَ۝ ﴾

(سورۃ المائدہ:104:5)

’جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اسکی طرف جو نازل کیا اللہ نے اپنے رسول کی طرف۔تو کہتے ہیں کافی ہے ہمیں پایا ہے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو۔کیا بھلا انکے آباؤ اجداد کچھ علم نہ رکھتے ہوں اور ہدایت پر نہ ہوں تب بھی۔؟‘‘

یعنی بصیرت اور دلیل کی بنا پر آبا کی مشروط پیروی تو درست ہے،لیکن انکی دین میں اندھا دھند غیر مشروط پیروی انبیاء علیہم السلام کی ناقدری ہے،جس پر الا ماشاءاللہ اکثریت کاربند ہے۔

اسی لئے نبی کریم ﷺ نے بھی شرک اور گمراہی کے مقابلے میں یہی تعلیم دی کہ:

’’(واترُکو مایقول آباؤکم)۔۔جو تمھارے باپ دادا کہتے اور کرتے رہے ہیں اسے چھوڑ دو۔‘‘(بخاری:7،مسلم:1773)

مزید یہ کہ:

☆ سورہ:(احزاب:66) میں رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کے مقابلے میں سردار، لیڈرز، بزرگ حضرات کا ذکر کیا گیا۔

☆ سورہ(فرقان:27-30) میں رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کے مقابلے میں دوست احباب کا۔

☆ سورہ(توبہ:31) میں رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کے مقابلے میں مذہبی پیشوا: علماء و مشائخ،امام حضرات کا۔

گویا رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کی ضد کی جامع اصطلاح ’’شخصیت پرستی‘‘ ہے جو درج ذیل چیزوں کو محیط ہے:

(۱)۔لیڈرز،سردار،باس،اہل حکام،دوست احباب

(۲)۔مذہبی پیشوا: علماء ومشائخ،امام،پیر حضرات

(۳)۔والدین،کنبہ قبیلہ

(۴)۔ پیدائشی مسلک، گروہ، فرقہ، جماعتیں

(۵)۔ اپنی خواہش نفس کی اندھا دھند پیروی

دینی رہنماؤں سے دشمنی نہیں بلکہ ان کی قدر کرنی ہے، ان کا ادب ہے، احترام ہے، محبت ہے..... لیکن ان کی غیر مشروط اندھا دھند پیروی رسالت کی ضد ہوگی جس بچنا ہے۔ اسی طرح سنت کی ضد ''بدعت'' ہے، جس سے نبی کریم ﷺ نے بہت سختی سے منع فرمایا ہے۔

ہر ہر بات میں، رسول ﷺ کی تعلیمات (یعنی قرآن وسنت) کو مشعل راہ بنانا ہدایت ونجات کی راہ جبکہ رسولوں (علیہم السلام) کی تعلیمات سے بے نیاز ہوکر دین میں دیگر لوگوں کی اندھا دھند (بغیر دلیل اور بغیر سوچے سمجھے) پیروی خسارے کی راہ ہے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ انبیاء علیہم السلام کی ناقدری ہے۔ شیطان کی کامیابی رسولوں (علیہم السلام) سے ہٹا کر اندھا دھند لوگوں کی پیروی کروانے میں ہے۔ اس ضمن میں بھی اکثریت شیطان کی ہی پیروی کرے گی، بہت کم خوش نصیب ہوں گے جو پختگی سے رسول ﷺ کے اسوہ کو مظبوطی سے تھامیں گے۔ اس ضمن میں تفصیلی گفتگو باب ۶ میں بیان کی جائے گی۔ جس طرح اطاعت واتباع کا متضاد آبا پرستی ہے اسی طرح سنت کی ضد بدعت ہے۔ اطاعت واتباع سے سنت رسول ﷺ کی پیروی نصیب ہوتی ہے، جبکہ اطاعت واتباع سے انحراف سے بدعات کا ارتکاب ہوتا ہے جو کہ سنت کے متصادم ہے۔ اسلئے اطاعت واتباع کا لازمی تقاضا یہی ہے کہ دین میں نئے امور کے دخول یعنی بدعات سے بچا جائے جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے بیان ہوگی۔

محبت کے دعوے صرف اسی وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک آپ ﷺ کی تعلیمات ہمارے ذہن کے موافق رہیں۔ جونہی آپ ﷺ کے فرامین ہماری سوچ ہمارے من پسند مسلک سے ٹکرا جائیں تو برصغیر پاک و ہند کے اکثر مسلمان اسے قبول کرنا تو درکنار اسے دیکھنا بھی گوارہ نہیں کرتے۔ نبی کریم ﷺ سے محبت کا معیار آپ ﷺ کی اطاعت واتباع ہے۔ حقیقی ایمان والے وہی ہیں جو تمام

عقائد وافعال کو بخوشی آپ ﷺ کی تعلیمات کے سامنے پیش کر کے، اصلاح کیلئے ہر لمحہ آمادہ رہتے ہیں۔ جب آپ ﷺ کی بات آجائے تو بلا چون و چراں فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ اسکے برعکس دعویٰ عشق محض ایک دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔

بات کو سمجھنے کیلئے ہمارے خود ساختہ طرز عمل کے خلاف صرف دو معاملات پر آپ ﷺ کے فرامین (سنت) ملاحظہ کریں اور اپنی اصلاح کی فکر کریں:

<u>اسوہ نمبر۔۱:</u> نبی کریم ﷺ کا متواتر مبارک طریقہ تھا کہ فرض نماز کے سلام پھیرتے ہی فوراً بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہتے جسکی آواز مسجد سے باہر بھی سنائی دیتی اور لوگ جان جاتے کہ جماعت ختم ہوگئی۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی فرض نماز کا مکمل ہونا (درج ذیل) تکبیر کی بلند آواز سے پہچانتا تھا۔

((الله اكبر))۔ ''اللہ سب سے بڑا ہے'' (صحیح بخاری، نمبر:842، صحیح مسلم، نمبر:1316)

ایک دفعہ بلند آواز سے تکبیر کے بعد آپ ﷺ تین مرتبہ ((استغفر الله)) اور اسکے فوراً بعد ایک مرتبہ یہ دعا پڑھتے:

((اللهم انت السلام و منک السلام تبارکت یا ذالجلال والاکرام))

(صحیح مسلم، نمبر:1334)

اسکے بعد دیگر بہت سی دعائیں اور اذکار کرتے۔ ہر موقع ومحل پر جس عمل کی ضرورت تھی، پیارے رسول ﷺ نے اسے اختیار کیا۔ نماز کے فوراً بعد تکبیر اور استغفار میں بڑی حکمت ہے کہ انسان اللہ کی طرف سے عائد امانت کی ادائیگی کے فوراً بعد اللہ کی کبریائی، اور استغفار کے ذریعے اس فریضہ کی ادائیگی میں کمی بیشی کا مداوا کرتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا صحیح السند دلائل سے ثابت متواتر عمل چھوڑ کر اپنی من مرضی کرتے ہوئے، اپنی طرف سے آپکے طریقے کو بدل کر اپنے خود ساختہ طریقے جاری کر کے ہم کیا آپ ﷺ کو یہ سکھانا چاہتے ہیں کہ اسکی بجائے آپ ﷺ کو فلاں عمل کرنا چاہیے تھا.....؟ کیا یہ

آپ ﷺ سے محبت ہے.....؟ اگر ہم فرقہ واریت کی لپیٹ میں نہ آتے تو ہمیں الگ پہچان کی ضرورت نہ ہوتی اور ہمارے لئے اللہ کے پیارے رسول ﷺ کی سنت کی پیروی کافی ہو جاتی۔

نوٹ.....: بعض ہمارے بھائی سلام کے فوراً بعد کلمہ طیبہ کے با آوازِ بلند ذکر کے جواز کیلئے ایک روایت پیش کرتے ہیں حالانکہ اسکا موقع محل اور کیفیت بالکل مختلف ہے۔ حقیقت حال یوں ہے:

آپ ﷺ سلام پھیرنے کے بعد با آواز بلند ایک مرتبہ یہ کلمات پڑھتے:

((لا اله الا لله وحده لا شريک له، الملک وله الحمد وهو علی کل شیءٍ قدیر، لا حول ولا قوة الا بالله، لا اله الا لله ولا نعبد الا اياه، له النعمة وله الفضل وله الثناء الحسن، لا اله الا لله مخلصين له الدين ولو کره الکافرون)) (صحیح مسلم، نمبر:1343)

سارے کلمات پڑھنے کی بجائے صرف ابتدائی چند الفاظ کو مخصوص کرتے ہوئے ایک مرتبہ کی بجائے تین مرتبہ پڑھنا جبکہ باقی چھوڑ دینا سنت کے مطابق نہیں۔ سلام کے بعد آپ ﷺ اس قسم کے اور بہت سے اذکار کرتے لیکن وہ سب تکبیر اور استغفار کے بعد ہوتے جبکہ سلام کے بعد نماز ختم ہوتے ہی تکبیر اور استغفار ہوتی۔

اسوہ نمبر۔۲: آپ ﷺ نے اپنی امت کو شرک سے بچانے کی خاطر ایک اہم معاملے میں زندگی کی آخری انتہائی سخت وصیتیں فرمائیں جو کہ اکثر لوگوں پر شاق ہیں۔ حالانکہ ہمیں ان فرامین کو بھی سینے سے لگاتے ہوئے ان سے اسلئے نصیحت پکڑنی چاہیے کہ یہ ہمارے پیارے رسول ﷺ کی تنبیہات ہیں۔ چنانچہ قبروں کے متعلق آپ ﷺ کی ان تنبیہات میں سے چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

☆ آپ ﷺ نے فرمایا:

'میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا، اَب اُن کی زیارت کیا کرو، کیونکہ وہ دنیا سے بے رغبت کرتی ہیں اور آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔''

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' رقم:2259 ، سُنن ابن ماجہ ''رقم:1572'')

آپ ﷺ نے اجازت دی اور ساتھ ہی اجازت دینے کا مقصد بھی بیان فرما دیا کہ دنیا سے دِل اچاٹ ہو اور آخرت کی طرف رجحان پیدا ہو، یا دیگر فرامین کی روشنی میں اہل قبور کی سلامتی، عافیت اور مغفرت کے لئے دعا کی جائے۔قبروں پر جانے کا مقصد آپ ﷺ کی طرف سے صراحتاً بیان ہو جانے کے بعد کسی بھی کلمہ گو اہل ایمان کے لئے اس مقصد سے ہٹ کر کوئی اور غلط مقصد بنانے کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔پس قبروں کی زیارت کو جانا، ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنا، سلامتی کی دُعا کرنا، قبروں کا احترام کرنا، ان کے اوپر پاؤں نہ رکھنا وغیرہ بالکل درست ہے۔

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ جب رسولُ اللہ ﷺ مرضِ وفات میں مبتلا تھے تو بار بار اپنی چادر کو اپنے چہرہ مبارک پہ ڈالنا شروع کر دیا۔اور جب چادر کی وجہ سے گھبراہٹ شروع ہو جاتی تو اُسے اپنے چہرے سے ہٹا دیتے اور اسی حال میں فرماتے جاتے:

((لعنت الله علی الیهود وا لنصاریٰ اتخذو قبور انبیا ئهم مساجدا))

''اللہ جل جلالہ کی لعنت ہو یہودیوں اور نصرانیوں (عیسائیوں) پر کہ اُنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد (سجدہ وعبادت گاہ) بنالیا تھا۔''

(صحیح بُخاری ''کتابُ الجنائز'' رقم:1390،صحیح مُسلم ''کتابُ المساجد'' رقم:1183)

☆ سیدنا جُندب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسولُ اللہ ﷺ کی وفات سے 5 دن قبل آپ ﷺ کو یہ بات اِرشاد فرماتے ہوئے سُنا:

'' خبردار! تم سے پہلے لوگ اپنے انبیاء علیہم السلام اور نیک لوگوں کی قبروں کو مساجد (سجدہ و عبادت گاہ) بنالیا کرتے تھے۔خبردار! تم لوگ قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا۔بے شک میں تمہیں اِس حرکت سے منع کرتا ہوں۔'' (صحیح مُسلم ''کتابُ المساجد'' نمبر1188)

☆ سیدنا امام مالک رحمہ اللہ مشہور تابعی عطا بن یسار رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

((اللھم لا تجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم اتخذو قبور انبیا ئھم مساجدا)) (الموطاء للمالک ''کتابُ قصر الصلوۃ فی السفر'' نمبر 416)

''اَے اللہ جل جلالہ میری قبر کو ایسا بُت نہ بنانا کہ اُسے پوجا جانے لگے۔ اللہ جل جلالہ کا غضب نازل ہو اُن لوگوں پر جنھوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو مساجد (سجدہ وعبادت گاہ) بنالیا تھا۔''

☆ عن جابر رضی اللہ عنہ ((نھیٰ رسول اللہ ﷺ أن یحصص القبر و أن یقعد علیہ و أن یبنی علیہ))

'' سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:'' منع فرمایا ہے رسول اللہ ﷺ نے: قبروں کو پکا کرنے سے اور (2) اِن پر عمارت بنانے سے۔ اور (3) اِن پر بیٹھنے سے۔ اور (4) اِن پر لکھنے سے۔ (نوٹ: آخری جملہ نمبر (4) ''جامع ترمذی'' میں موجود ہے)

(صحیح مُسلم ''کتابُ الجنائز'' حدیث 2245 ، جامع ترمذی 1052، نسائی 2027، ابن ماجہ 1562)

☆ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''بے شک (قیامت کے دن) لوگوں میں سے بدترین وہ لوگ ہونگے جن پر قیامت قائم ہوگی۔ اور وہ ایسے لوگ ہونگے جو قبروں پر مسجدیں بنائیں گے۔''

(آخری جملہ مُسند امام احمد ، صحیح ابنِ خزیمہ اور صحیح ابنِ حبان میں موجود ہے)

(صحیح بُخاری ''کتابُ الفتن'' حدیث نمبر 7067، صحیح مسلم ''کتابُ الفتن'' حدیث نمبر 7402)

☆ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ (یعنی اُن میں نوافل ادا کیا کرو) اور ﴿لَاتَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْداً﴾ (میری قبر کو میلہ گاہ نہ بنالینا)۔ اور (ہر جگہ سے) مجھ پر درود بھیجو کیونکہ تم جہاں کہیں بھی ہو تمہارا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔''

(سُنن ابی داود ''کتابُ المناسک'' نمبر 2042)

نبی رحمت ﷺ نے قبروں کے حوالے سے اتنی سختی اسلئے فرمائی کیونکہ شیطان نے لوگوں کو نیک بزرگ اہل قبور کی عبادت پر اکسایا تھا۔ قرآن مجید میں مشہور بت 'لات' کا ذکر کیا گیا ہے۔ صحیح بخاری ج ۲، ص ۷۲۱ کے تحت: ''یہ ایک نیک آدمی تھا جو حاجیوں کو ستو گھول گھول کر پلایا کرتا تھا۔''

امام ابن کثیر رحمہ اللہ (المتوفیٰ ۷۷۴ھ) نے اسکی بابت لکھا:

((فلما مات عکفوا علیٰ قبرہ فلیعبدوہ)) (ابن کثیر ج ۴، ص ۲۵۳)

''جب اسکی وفات ہوگئی تو لوگوں نے اسکی قبر پر اجتماع شروع کر دیا اور اسکی عبادت ہونے لگی۔''

کیا ہم پیارے رسول ﷺ کی ان تنبیجات کو بھی سینے سے لگاتے ہوئے خوشدلی سے ان سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے تیار ہیں.....؟ اگر ہمیں آپ ﷺ سے سچی محبت ہوتی تو ہم ان درجنوں تنبیجات سے نہ تو اعراض کرتے اور نہ ہی اپنے اپنے پسندیدہ مسالک و بزرگ اکابرین کے دفاع میں انکی غلط تاویلات (جس کی وضاحت ہماری کتاب ''ظلم عظیم پر جامع رہنمائی'' میں بیان کی گئی ہے) کرتے بلکہ خوشدلی سے آپ ﷺ کے حکموں کو من وعن مان جاتے۔

آپ ﷺ کے جانثار ساتھی!

یہ خصوصیت تو آپ ﷺ کے جانثار ساتھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہی حاصل تھی جو آپ ﷺ کے حکم کے سامنے فوراً اپنی ہر خواہش کو قربان کر دیتے تھے۔ نمونے کے طور پر قبروں کے حوالے سے ہی ایک واقعہ ملاحظہ کرتے ہوئے اپنا محاسبہ کریں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ترجمہ: ''میں ایک دن کوہ طور پر گیا تو میری ملاقات وہاں (سابقہ یہودی عالم) کعب بن احبار سے ہوگئی، ہم ایک دن اکٹھے رہے، میں انہیں رسول اللہ ﷺ کی احادیث سناتا رہا اور وہ مجھے تورات سے کچھ سناتے رہے..... پھر میں جب وہاں سے واپس آیا تو میری ملاقات ابو بصرہ غفاری رضی اللہ عنہ سے ہوگئی، تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہاں سے آرہے ہو؟ میں نے کہا کوہ طور سے آرہا ہوں، انہوں نے کہا: (اے ابو ہریرہ) اگر تم کوہ طور پے جانے سے پہلے مجھے مل لیتے تو کبھی وہاں نہ جاتے! میں نے پوچھا وہ کیوں؟ اس پر انہوں نے کہا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((لا تشد الرحال الا الیٰ ثلاثة مساجد: المسجد الحرام، و مسجد الرسول و مسجد الاقصیٰ))

(کجاوے نہ کسے جائیں (یعنی اہتمام کے ساتھ رخت سفر نہ باندھا جائے) سوائے تین مساجد کے: (۱) مسجد حرام، (۲) رسول اللہ ﷺ کی مسجد یعنی مسجد نبوی اور (۳) مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس)''

رسول اللہ ﷺ کی تنبیہ بھری حدیث سن کر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ (سنن نسائی کتاب الجمعہ، حدیث نمبر: 1430)

یعنی نبی کریم ﷺ کے نزدیک یہ تین مساجد ہی شرف فضیلت رکھتی ہیں کہ اہتمام کے ساتھ انکی زیارت کے لئے یا اضافی ثواب کی نیت سے ان کا سفر کیا جائے۔ انکے علاوہ باقی مساجد کی طرف مذکورہ نیت (اہتمام یا اضافی ثواب کی نیت) سے کجاوے کسنے سے آپ ﷺ نے منع فرما دیا:

نوٹ: آپ ﷺ کا مذکورہ کجاوے کسنے والا فرمانِ عالیشان بخاری و مسلم (حدیث نمبر: 3384 اور 1189) دونوں میں موجود ہے۔

کیا ہم خوش دلی سے آپ ﷺ کے اس حکم کو بھی سینے سے لگانے کیلئے تیار ہیں.....؟

صحابہ کرام اور اتباع رسول ﷺ

اللہ ورسول ﷺ کی وہ بات جو ہمارے ذہن ومسلک کے خلاف ہو اس سے واسطہ پڑنے پر ہمارا طرز عمل کیا ہوتا ہے اور آپکے جانثار ساتھیوں یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کیا تھا، بطور اصلاح چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

(i) ((سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب سفیان کی آمد کا ہمیں پتہ چلا تو رسول اللہ ﷺ نے مشورہ کیا تو حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور عرض کیا، اللہ کے رسول ﷺ: اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے؟ اگر آپ ﷺ ہمیں سمندر میں کود جانے کا حکم دیں گے تو ہم اس میں کود جائیں گے))۔ (صحیح مسلم، کتاب الجہاد)

(ii) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا تم اپنی خواتین کو رات کے وقت مسجد میں جانے کی اجازت دو، جس پر ان کے ایک بیٹے جس کا نام واقد تھا جواب دیا وہ وہاں جا کر مکر وفریب کریں گی، یہ سن کر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے سینہ پر تھپڑ مارا اور فرمایا کہ میں تمھیں رسول اللہ ﷺ کا حکم بیان کر رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ انہیں نہیں جانے دیں گے۔ مسند احمد کی روایت کے مطابق مجاہد کہتے ہیں کہ پھر انھوں نے مرتے دم تک اپنے بیٹے سے بات نہ کی)۔ (صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ: مسند احمد، باب مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ)

افسوس کہ ہماری حالت اسکے الٹ ہو چکی ہے، حضور ﷺ کی بات پر اپنے اپنے من پسند اکابرین کی بات کو ترجیح دیتے ہیں، کاش ہم سوچیں کہ کیا کر رہے ہیں۔

(iii) آپ ﷺ نے ایک شخص کے ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی دیکھی تو اسے اتروا کر پھینکوا دیا۔ جب نبی ﷺ واپس چلے گئے تو لوگوں نے کہا اُٹھا لو کوئی اور فائدہ اُٹھا لینا (گھر کی عورتیں استعمال کر لیں گی) اُس شخص نے کہا اللہ کی قسم میں اسے کبھی نہ اٹھاؤں گا کیونکہ اسے رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے۔ (صحیح مسلم)

(iv) آپ ﷺ کے انتقال کے بعد سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنھا، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے میراث لینے آئیں تو اُنھوں نے فرمایا کہ ''رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ انبیاء کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی وہ جو کچھ چھوڑیں صدقہ ہے اور فرمایا کہ اگر میں آپ ﷺ کی بات کے خلاف کروں تو مجھے ڈر ہے کہ سیدھی راہ سے پھسل جاؤں۔''

(بُخاری ''کتاب فرض الخمس''، حدیث نمبر 3092، مسلم ''کتاب الجھاد)

لمحہ فکریہ! رسول اللہ ﷺ کا فرمان سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے نزدیک کس قدر اہم تھا۔ فرمایا اگر میں نے ایسا کیا تو ڈر ہے کہ گمراہ ہو جاؤں۔ اگر کسی نے ہدایت قبول کرنی ہو تو یہ ایک بات ہی کافی ہے۔

(v) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حالات کے پیش نظر جب حج تمتع (ایک سفر میں حج اور عمرہ کا اکٹھا کرنا) پر پابندی لگائی تو آپ کے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اختلاف کیا۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب حج تمتع کے بارے میں سوال کیا جس پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((فقال عبدالله بن عمر ارايت ان كان ابى نهى عنها و صنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم اامر ابى يتبع ام امر رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لقد صنعها رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا حديث حسن صحيح)) (ترمذی ''کتاب الحج''، حدیث نمبر 824)

''دیکھو اگر میرے والد کسی کام سے منع کریں اور رسول اللہ ﷺ وہی کام کریں تو کیا میرے والد کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ ﷺ کی؟ اُس شخص نے کہا آنحضرت ﷺ کے طریقہ کی پیروی کی جائے گی۔ آپؓ نے فرمایا تو پھر رسول اللہ ﷺ نے تمتع کیا ہے۔''

نمبر (iv) اور (v) میں سبق ہے ان کے لئے جو اپنے اکابرین کی بات کو آنحضور ﷺ کی بات پر ترجیح

دیتے ہیں۔ اگر کوئی ابلیس سے چھٹکارہ چاہتا ہو تو اس میں اس کے لئے واضح ہدایت موجود ہے۔

(vi) سیدنا انسؓ بیان کرتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر کوئی شخص زیادہ محبوب نہ تھا، اس کے باجود جب وہ آپ ﷺ کو دیکھتے تو وہ کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ آپ ﷺ اسے ناپسند کرتے ہیں۔ (جامع ترمذی کتاب الادب)

<u>درس عبرت:</u> یہ حقیقی ایمان ہے کہ جس چیز سے رسول ﷺ منع فرمادیں اس سے فوراً رُک جائیں اگرچہ طبیعت پر ناگوار گزرے لیکن ہماری حالات یہ ہے کہ ہم آنحضور ﷺ کی ایسی بات جو ہمارے مسلک یا ذہن کے خلاف ہو اسے سننا بھی گوارہ نہیں کرتے اسکے باوجود کہ ہمیں حضور ﷺ سے محبت ہے۔ یہ تھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اطاعت واتباع اوران کے حقیقی ایمان اور آنحضور ﷺ سے تعلق کی جھلک، اسی لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو ضرب المثل قرار دیا چنانچہ ارشاد ہوا:

﴿فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا﴾ (سورۃ البقرہ، آیت:137)

''پھر وہ لوگ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم (صحابہ) لائے ہو تو یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہوگئے۔''

آنحضور ﷺ نے جنتی فرقہ کے متعلق یوں خبر دی: سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ ﷺ نے اِرشاد فرمایا:

''بے شک بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری اُمت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہو گی ایک ملت کے سوا باقی سب جہنم میں ہوں گے، پوچھا گیا وہ ملت کون سی ہوگی آپ ﷺ نے فرمایا ''جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں''۔

(جامع ترمذی ''کتاب الایمان'' حدیث نمبر 2641)

آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کے حوالے سے کیا ہمارا طرز عمل بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے

مطابقت رکھتا ہے.....؟

ابلیس کی کامیابی

آنحضور ﷺ کی اطاعت واتباع کے حوالے سے مذکورہ حقیقت واضح ہو جانے کے بعد ابلیس کی ایک خطرناک چال کی حقیقت آشکار کرنا انتہائی ضروری ہے جسکے ذریعے اس نے نسل انسانی کو راہ ہدایت سے دور کیا اور اپنا ساتھی بنایا۔ پروردگار نے ابلیس کی اس خطرناک چال کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا:

﴿ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ مَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾

(سورۃ التوبہ۔آیت:31)

''اُن لوگوں (یہودیوں اور عیسائیوں) نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا تھا اور مریم کے بیٹے مسیح کو، حالانکہ انھیں صرف ایک اللہ کی عبادت کا حکم دیا گیا تھا، جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ پاک ہے ان کے شریک مقرر کرنے سے۔''

اِسی آیت کی تشریح میں ایک حدیث موجود ہے جو بات کو واضح کر دیتی ہے۔ چنانچہ سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ (جو پہلے خود بھی عیسائی تھے) روایت کرتے ہیں: قبول اِسلام سے پہلے جب میں نے یہی آیت سُنی تو رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: ہم لوگ اپنے علماء اور درویشوں کو تو نہیں پوجتے تھے؟ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ''مگر کیا تم لوگ (بغیر اللہ جل جلالہ اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کو دیکھے) اَپنے علماء اور درویش لوگوں کی حلال کی گئی چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام نہیں مان لیا کرتے؟'' میں نے عرض کیا جی ہاں اَیسا ہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی تو اُن کو رب بنانا ہے۔'' اِسی ایک جملہ پر (میں عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ) مطمئن ہو گیا اور فوراً اِسلام قبول کرلیا۔'' (والحمدللہ جل جلالہ)

(جامع ترمذی ''ابوبُ التفسیر'' حدیث نمبر 3095 ، مُسند امام احمد حدیث نمبر 378/4)

ہمارے حالات بھی اس سے مختلف نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے۔ آمین

یہاں تو حضور ﷺ خود اس بات کی تعلیم فرما رہے ہیں کہ خواہ کوئی عالم بھی ہو اسکے پیچھے بھی اندھا دھند نہیں لگنا چاہئے بلکہ بات کو دلائل پر پرکھ کر کہ درست بھی ہے یا نہیں..... عمل پیرا ہونا چاہئے۔

تقلید میں راہِ اعتدال: اس ضمن میں چند ضروری باتیں پیش خدمت ہیں:

1- عوام ہوں یا خواص دین کو سمجھنے کے لیے اہل علم حضرات کی تحقیق سے تو استفادہ کرنا ہی پڑتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر اندھی پیروی نہ کی جائے۔ بغیر دلیل و برھان کسی کی پیروی اندھی تقلید کہلاتی ہے جسکی دین اسلام میں سختی سے ممانعت کی گئی ہے، کیونکہ ہدایت سے دور رہنے کی یہ سب سے بڑی وجہ ہے۔

2- تمام آئمہ دین خصوصاً (1) امام جعفر صادق بن محمد باقر رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔148ھ)، (2) امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔150ھ)، (3) امام مالک بن انس رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔179ھ)، (4) امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔204ھ)، (5) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔241ھ) اللہ جل جلالہ کے برگزیدہ بندے تھے۔ یہ لوگ واقعتاً متقی اور سچے متبع رسول تھے۔ صاحب بصیرت اور اہل علم تھے۔ آج کے لوگوں کی طرح نہ تھے جنھوں نے دین کو پیشہ بنالیا اور دین کی بجائے مسلک کا تحفظ شروع کر دیا۔

3- تقلید کی جائز صورت یہ ہے کہ کسی بھی امام کی بات اگر قرآن وسنت سے مطابقت نہ رکھتی ہو تو اہمیت قرآن وسنت کو دی جائے اس حسن ظن کے ساتھ کہ ہوسکتا ہے آئمہ کرام تک وہ احادیث نہ پہنچی ہوں۔

4- آئمہ کرام رحمھم اللہ خود بھی اطاعت رسول ﷺ پر عمل پیرا تھے اور اپنی اندھی و جامد تقلید کو گوارا نہیں کرتے تھے۔ تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر ''ظلم عظیم پر جامع رہنمائی''

تقلید کی موجودہ صورت حال: موجودہ صورت حال یہ ہے کہ جس علاقہ میں کسی نے آنکھ کھولی اور جو اس علاقہ میں مسلک رائج تھا اس کے نزدیک وہی صحیح ترین ہے اگر کوئی ایران میں پیدا ہوا تو اس کے نزدیک فقہ جعفری ہی سب سے معتبر ہے۔ جس مسلک میں جو ہے اس سے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر ہونے کو تیار نہیں اور ہزاروں قرآن کی آیات اور احادیث بھی اس پر کوئی اثر نہیں کرتیں بلکہ اسے ناگوار گزرتی ہیں اور وہ اپنے مسلک سے ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اگر کسی سے کہا جائے کہ فلاں عمل میں اسلئے کرتا ہوں کہ حضور ﷺ نے اسے اسی طرح اختیار کیا تو لوگ ناراض ہو جاتے ہیں، اگر کہا جائے کہ فلاں امام کی تقلید میں کرتا ہوں تو برداشت کر لیتے ہیں۔ اسی کیفیت کو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ، 12۔ ویں صدی کے مجدد اعظم، جن کو برصغیر پاک و ہند کے تینوں مکاتب فکر: بریلوی، دیوبندی اور اہلحدیث اپنا امام تسلیم کرتے ہیں نے یوں بیان کیا: آپؒ نے علمائے وقت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا!

''تم پچھلے فقہاء کرام کے احسانات اور فروعات میں ڈوب گئے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ حکم صرف وہ ہے جو اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ نے فرمایا۔ تم میں سے اکثر لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب کسی کو نبی ﷺ کی کوئی سچی حدیث پہنچتی ہے تو وہ اس پر عمل نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرا مذہب فلاں مسلک پر ہے نہ کہ حدیث پر۔ پھر وہ حیلہ پیش کرتا ہے کہ صاحب! حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ (یعنی اس پر عمل کرنا) تو کاملین اور ماہرین کا کام ہے اور حدیث آئمہ سلف سے چھپی تو نہ رہی ہوگی۔ پھر کوئی تو وجہ ہوگی کہ انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ جان رکھو یہ ہرگز دین کا طریقہ نہیں۔ اگر تم اپنے نبی ﷺ پر ایمان لائے ہو تو ان کی اتباع کرو خواہ (ان کی بات) کسی مسلک کے موافق ہو یا مخالف''۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ :48-49، حصہ اول، مطبوعہ الفیصل ناشران، مترجم)

محترم بھائیو تقلید کریں لیکن ایسی اندھی تقلید تو اللہ ﷻ کو اپنے کلام کے حوالے سے بھی گوارہ نہیں۔

اللہ جل جلالہ نے کئی جگہ اس روش سے سختی سے روکا ہے۔ایک جگہ اللہ جل جلالہ نے اپنے محبوب بندوں کے متعلق ارشاد فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا o﴾ (سورۃ الفرقان۔73)

''اور جب انھیں ان کے رب کے کلام کی آیتیں نصیحت کے لیے سنائی جاتی ہیں تو وہ اندھے بہرے ہوکران پرنہیں گرتے۔''

یعنی غور وفکر کرتے ہیں اور عقل سے کام لیتے ہیں ان کا غلط مفہوم نہیں لیتے۔یقیناً آپ بات سمجھ چکے ہوں گے۔انسانیت کی ہلاکت کے لیے ابلیس کے پاس سب سے بڑا اگر کوئی ہتھیار ہے تو وہ صرف اور صرف یہی ہے کہ اندھی پیروی کرائی جائے اس سے بڑی چال شیطان کے پاس شاید ہی کوئی ہو۔

پس اگر واقعتاً حضور ﷺ سے محبت ہے تو پھر اندھی و جامد تقلید سے ہمیشہ کے لئے توبہ کی جائے اور دین کی بنیاد جائز تقلید اور قرآن وسنت پر رکھی جائے۔یہ بھی یاد رکھیں کہ قرآن وسنت سے بات واضح ہو جانے کے بعد اسے تسلیم نہ کرنا یا غلط تاویل کرنا اپنا مکتب فکر یا اکابرین کو بچانے کے لیے اتنا بڑا گناہ ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔یہ اللہ ورسول ﷺ کی کی گستاخی اور تکبر کا بہت بڑا درجہ ہے۔ چنانچہ:((حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں،رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر تکبر بھی ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔''ایک آدمی نے عرض کیا،آدمی پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اور اس کے جوتے اچھے ہوں۔(کیا یہ بھی تکبر ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا:''بے شک اللہ جل جلالہ صاحب جمال ہے اور وہ جمال کو پسند کرتا ہے، ((الکبر بطر الحق و غمط الناس))، تکبر سے مراد،حق بات(قرآن وسنت) کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر جاننا ہے))۔ [صحیح مُسلم ''کتابُ الایمان']

یہ بات واضح ہوگئی کہ اصل تکبر حق بات یعنی اللہ ورسول اللہ ﷺ کی بات کو ٹھکرانا یا تسلیم نہ کرنا یا اس کے مقابلے میں کسی اور کی بات کو لے کر آنا ہے۔ یہ ایسا تکبر ہے جس کے ارتکاب کی انسان کو خبر بھی نہیں ہو پاتی لیکن وہ اپنے آپ کو ہلاک کر بیٹھتا ہے۔ ایسا کرنے والا دو ظلم کرتا ہے۔ ایک اپنی جان پر اور دوسرا اُن لوگوں پر جن کو بنیاد بناتے ہوئے قرآن وسنت کی واضح تعلیمات سے پہلوتہی کی جاتی ہے۔ بروز قیامت جب وہ اکابرین رب کی بارگاہ میں سوال کیے جائیں گے تو وہ لوگ اُن لوگوں کے دشمن ومخالف ہو جائیں گے اور برأت کا اظہار کریں گے۔ اِس ظلم میں ملوث ہوتے ہی اللہ انسان کی ہدایت سلب فرما لیتے ہیں اور دِل کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں۔ ہمیں فوراً توبہ کرنی چاہیے۔ اللہ ہمارے بھائیوں پر خصوصی مہربانی فرمائے اور انھیں حق واضح ہونے کے بعد تسلیم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

مسئلہ تقلید پر تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: ''ظلم عظیم پر جامع رہنمائی''

.....

(5)۔غلو (حد سے تجاوز) سے اجتناب

شراکت میں مبتلا کرنے کیلئے ابلیس غلو کے ضمن میں دو بنیادی ہتھیار استعمال کرتا ہے یعنی: خالق کو نیچے گرا کر مخلوق کی صف میں کھڑا کرنا یا مخلوق کو اٹھا کر خالق کے مقام پر فائز کرنا۔ دوسرے ہدف یعنی مخلوق کو اٹھا کر خالق کے مقام پر فائز کرنے کیلئے اسے بطور ڈھال مخلوق میں سے بلند مرتبہ لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے جیسے: انبیاء علیہم السلام، انکے اصحاب، مذہبی پیشوا، اکابرین، اولیاء و بزرگان دین۔ چونکہ انبیاء علیہم السلام کا مرتبہ سب سے زیادہ ہوتا ہے اسلئے ابلیس کا ہدف انہیں کے ذریعے با آسانی پورا ہوتا ہے جس پر قرآن گواہ ہے۔ سابقہ اُمتوں کی اکثریت کو بھی انہیں طریقوں سے ہلاک وبرباد کیا۔ انبیاء ورسل علیہم السلام کی شان وعظمت میں حد سے تجاوز کراتے ہوئے رفتہ رفتہ اُنھیں الوہیت کے درجے پر فائز کرا کے لوگوں کو ابدی لعنتوں کا مستحق ٹھرایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے

لوگوں کو اس ہلاکت سے بچنے کی نہایت پُر زور الفاظ میں یوں تلقین فرمائی:

﴿ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﴾ (سورۃ النساء، آیت:171)

''اَے اہلِ کتاب (یہودی اور عیسائی)! اَپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو اور نہ کہو اللہ کے متعلق مگر حق بات ہی بے شک مسیح ابن مریم (تمہارے معبود نہیں بلکہ وہ تو) اللہ کے رسول تھے۔''

﴿وَ قَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ﴾ (سورۃ التوبہ، آیت:30)

''اور یہودی کہتے ہیں عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور عیسائی کہتے ہیں مسیح اللہ کا بیٹا ہے، یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں، یہ ان کافروں کی ریس کرتے ہیں جو ان سے پہلے گزرے، اللہ ان کو غارت کرے یہ کہاں بہکے جاتے ہیں۔''

اسی طرح ایک اور مقام پر اِرشاد فرمایا:

﴿ قُلْ یٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ﴾

(سورۃ المائدہ، آیت:77)

''(اَے نبی!) فرما دیجئے: اَے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے گمراہ ہو چکے ہیں۔ اور بہت سے لوگوں کو بھی گمراہ کر چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ چکے ہیں۔''

چونکہ ہمارے پیارے نبی ﷺ سب سے بڑھ کر فضیلت والے ہیں اسلئے آپ ﷺ کی بابت لوگوں کو غلو میں مبتلا کرنا ابلیس کیلئے زیادہ آسان ہے۔ آنحضور ﷺ اپنی اُمت کے بارے میں اس خطرے کو کس شدت سے محسوس کرتے تھے اور آپ ﷺ نے اپنی اُمت کو ابلیس سے بچنے کی حکماً کس طرح تلقین فرمائی صرف دو فرامین ملاحظہ کریں:

☆ **((لا تطرونی کما أطرت النصاریٰ ابن مریم انما أنا عبد فقولوا عبدالله و رسوله))** (صحیح بُخاری ''کتابُ الانبیاء '' حدیث نمبر 3445)

''تم میری تعریف میں حد سے تجاوز نہ کرو، جیسا کہ نصاریٰ نے ابن مریم کے سلسلہ میں غلو سے کام لیا، میں اللہ جل جلالہ کا بندہ ہوں، اس لیے مجھے اللہ جل جلالہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

☆ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں ایک شخص نے آپ ﷺ سے کہا:

''اے ہمارے سردار اور ہمارے سردار کے بیٹے اور اے ہم میں سب سے بہتر و افضل اور سب سے بہتر کے فرزند!'' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((یا ایھاالناس ! قولوا بقولکم ولا یستھو ینکم الشیطان انا محمد (ﷺ) بن عبدالله و رسول الله ، والله ما احب ان ترفعونی فوق ما رفعنی الله (عز و جل)) (مسند احمد: 241/3)

''اے لوگو! تم اس قسم کی بات کہہ سکتے ہو مگر کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے، میں عبداللہ کا بیٹا محمد (ﷺ) ہوں اور اللہ کا رسول ہوں، اللہ کی قسم میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ تم مجھے میرے اس مقام و مرتبہ سے بڑھا دو جس پر اللہ نے مجھے فائز کیا ہے''۔

بچت کی واحد صورت یہی ہے کہ قرآن وسنت کو رہنما بنایا جائے۔ جو چیزیں شان وعظمت کے اعتبار

سے دلیل سے ثابت ہیں نہ اُن میں ذرہ بھر کمی کی جائے اور نہ اُن میں اپنی مرضی سے اضافہ کیا جائے کیونکہ ابلیس بڑا مکار دشمن ہے۔ انشاء اللہ ہماری تحاریر میں آپ کو یہ دونوں چیزیں نظر آئیں گی۔ ہر وہ خوش نصیب جو حقیقتاً پیارے رسول ﷺ کو مانتا اور ان سے محبت رکھتا ہو وہ اس پہلو کو بھی ضرور ملحوظ رکھے گا۔ اللہ ہماری صحیح سمت میں رہنمائی فرمائے۔ (آمین)

.....

(6)۔ درود وسلام

آپ ﷺ نے امت کی خاطر جو تکالیف اٹھائیں، قربانیاں کیں، ان کو یاد رکھتے ہوئے، محبت کے ساتھ شب و روز آپ ﷺ پر درود وسلام کے ذریعے آپ ﷺ کو یاد رکھنا آپ ﷺ کے قرب کا باعث ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۝﴾ (سورۃ الاحزاب، آیت۔56)

''بے شک اللہ تعالیٰ اور اسکے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی ﷺ پر، اے اہل ایمان تم بھی آپ ﷺ پر درود بھیجو اور خوب سلام بھی بھیجتے رہا کرو''

سبحان اللہ یہ آنحضور ﷺ کی رفعت وشان کا اظہار ہے کہ خود خالق کائنات اور اسکے فرشتے آپ ﷺ پر درود وسلام کی صورت میں رحمتیں نچھاور کرتے ہیں اور اہل ایمان کو بھی اسکا حکم دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا کس قدر ضروری ہے چند احادیث کا مفہوم ملاحظہ کریں، آپ ﷺ نے فرمایا:

i)۔ 'اُس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے سامنے میرا ذکر ہو اور وہ مجھ پر درود نہ پڑھے'

(ترمذی، کتاب الدعوات)

ii)۔ ''جس نے مجھ پر درود پڑھنا بھلا یا دیا اُس نے جنت کا راستہ بھلا دیا''۔

(ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ)

iii)۔ ''جوشخص ایک مرتبہ درود پڑھے اللہ تعالیٰ اُسے 10 نیکیاں عطا فرمائے گا، 10 گناہ معاف فرمائے گا، 10 درجات بلند کرے گا اور اُس پر 10 رحمتیں نازل فرمائے گا'' (سبحان اللہ)

(سنن نسائی حدیث نمبر 1283

معلوم ہوا جب بھی آپ ﷺ کا نام نامی اسم گرامی لیا جائے تو آپ ﷺ پر درود بھیجنا از حد ضروری ہے۔ باقی اوقات میں جتنا بھی کوئی پڑھ سکے اسکے لئے اتنا ہی فائدہ مند ہے۔ وہ کم سے کم تعداد جسے ہر کلمہ گو کو ضرور پابندی سے پورا کرنا چاہیے اُسے درج ذیل حدیث میں یوں بیان کیا گیا:

''آنحضور ﷺ نے فرمایا! جو شخص صبح اور شام کے وقت 10 مرتبہ درود پڑھے بروز قیامت وہ میری شفاعت کا حق دار ہوگا'' (صحیح الجامع، حدیث نمبر 6357)

پس محبت سے نبی کریم ﷺ کو درود وسلام کے ذریعے یاد رکھ کر آپ ﷺ کے ساتھ اپنا تعلق تر و تازہ رکھنا بھی اہل ایمان پر آپ ﷺ کا حق ہے۔

دیگر تقاضے

رسالت کے ضمن میں چھ بنیادی تقاضوں (ایمان لانا، محبت، عزت و توقیر، اطاعت و اتباع، غلو سے اجتناب، اور درود و سلام) کی وضاحت کے بعد اس ضمن میں قرآن مجید کی مزید رہنمائی ملاحظہ فرمائیں: ارشاد ربانی ہے:

﴿ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَ عَزَّرُوْهُ وَ نَصَرُوْهُ وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ (سورۃ الاعراف، آیت: 157)

''پس جو لوگ ایمان لائے اس (رسول) پر اور جنہوں نے ان کی توقیر و تعظیم کی اور جنہوں نے اُن کی مدد کی (مشن میں دست و بازو بنے) اور جنہوں نے اس نور کا اتباع کیا جو اُن کے ساتھ نازل کیا گیا، تو یہی ہیں وہ لوگ جو فلاح پانے والے ہیں''۔

یہاں آپ ﷺ کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے پروردگار نے چار چیزیں ضروری قرار دی ہیں اور

ان پر کما حقہ عمل پیرا ہونے والوں کی کامیابی کی گارنٹی خود پروردگار نے دے دی ہے، وہ چار چیزیں یہ ہیں:

1۔آپ ﷺ پر ایمان لانا 2۔ آپ ﷺ کی توقیر و تعظیم کرنا

3۔نصرت وحمایت یعنی دین کی اشاعت میں آپ ﷺ کا بازو بننا

4۔قرآن مجید کی پیروی کرنا

پہلے دو تقاضے (ایمان لانا اور توقیر و تعظیم) پر بات ہو چکی ہے دیگر دو تقاضوں (نصرت وحمایت اور قرآن مجید کی پیروی کرنے) پر ضروری وضاحت پیش خدمت ہے۔

نصرت وحمایت

مذکورہ آیت کریمہ میں نبی کریم ﷺ سے ہمارے تعلق کی بنیاد (وَنَصَرُوْہ) کے الفاظ میں بیان ہوئی یعنی جن لوگوں نے حضور ﷺ کی مدد اور حمایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی بندگی کے لئے تخلیق کیا ہے۔ دنیا میں اسلئے بھیجا ہے تا کہ زندگی اللہ ﷻ کے احکامات کے مطابق گزاری جائے۔ دین کو خود سیکھ کر اس پر عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ اس دعوت کو دوسروں تک پہنچایا جائے۔ خالقِ کائنات نے لوگوں کو اپنے احکامات سے آگاہ کرنے کے لئے اپنے برگزیدہ رسول بھیجے جن کا بنیادی مقصد لوگوں کو کفر و شرک اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر توحید و رسالت کے روشن راستے پر گامزن کرنا اور لوگوں میں اس یقین کو پختہ کرنا کہ یہ چند روزہ ناپائیدار اور عارضی مہلت کے ختم ہونے کے بعد انسان کو اپنے مالک و آقا اور خالق کے سامنے محاسبہ کے لئے کھڑا ہونا ہوگا۔ اس عالم اسباب میں دین کی اشاعت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی نصرت وحمایت کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ چونکہ آپ کے بعد کسی نبی نے نہیں آنا اسلئے یہ ذمہ داری تا قیامت آنحضور ﷺ کے امتیوں کے سپرد کر دی گئی ہے۔ چنانچہ آنحضور ﷺ نے حکم دیا:

☆ (بلغوا عنی ولو ایة) (صحیح بخاری، کتاب احادیث الانبیاء)

''تم پہنچادو میری طرف سے آگے چاہے ایک آیت ہی ہو''

☆ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے حکم دیا: ((فلیبلغ الشا ھد الغائب))
(صحیح بخاری کتاب الحج)

''اب پہنچائیں وہ جو یہاں موجود ہیں ان کو جو موجود نہیں ہیں۔''

☆ ''تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے اسکا فرض ہے کہ وہ اسے اپنے ہاتھ سے روکے۔ اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان (تلقین ونصیحت) سے بدلے، اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دِل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے'' (صحیح مسلم، کتاب الایمان)

اور ایک دوسری روایت میں ہے!

(ولیس وراء ذلک من الایما ن حبة خر دل)

''اور اسکے بعد ایمان رائی کے دانے کے برابر بھی موجود نہیں''

یعنی برائی کو دیکھ کر بھی جس کا دل نہ کڑھے اور اسکو پریشانی لاحق نہ ہو پھر اس میں ایمان برائے نام ہی ہے۔ پس جو حضور ﷺ پر ایمان لے آئے اور اسکا دِل اس بات کی تصدیق کر دے کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں تو اس پر لازم ہے کہ فریضہ رسالت ونبوت میں حضور ﷺ کا رفیق و ناصر بنے۔ لوگوں کو گمراہی اور شرک کے اندھیروں سے نکالنے کی بھرپور کوشش کرے تا کہ لوگوں کی بخشش ہو سکے، جہاں حضور ﷺ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو اپنے لئے باعثِ فخر وسعادت سمجھے۔ لوگوں میں فکر آخرت اجاگر کرے، حسن سلوک اور اخلاقیات کا خود بھی پیکر بنے اور لوگوں کو بھی اس کا درس دے۔ ادب واحترام کو ملحوظ خاطر رکھے۔ جس حد تک ممکن ہو انسانیت کی خدمت کرے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا درس دے۔ قرآن وسنت کو مضبوطی سے تھام لے، دعوت وتبلیغ کو اپنا مشن بنائے۔ ضرورت پڑھنے پر ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار رہے۔ اگر ہمیں اپنی ان ذمہ داریوں کا احساس ہے تو ہم حضور ﷺ کے سچے محبّ کہلانے کے حق دار ہیں اگر ایسا نہیں تو پھر سب دھوکہ ہے۔ خالی عشق رسول ﷺ کے نعرے اور دعوے بروز قیامت کام نہ آسکیں گے۔

قرآن مجید کی پیروی

آپ ﷺ سے ہمارے صحیح تعلق کی اگلی بنیاد نور قرآن مجید کو حرز جان بنانا ہے۔ قرآنی احکامات کو سمجھے اوران پر عمل پیرا ہوئے بغیر انسان کا ہدایت پر رہنا ممکن نہیں۔

دین ''عقائد اور اعمال'' کے مجموعے کا نام ہے جسکا کامل بیان قرآن وسنت میں موجود ہے۔ نجات کیلئے عقائد اور اعمال دونوں کا درست ہونا ناگزیر ہے۔ قرآن انسان کا دستور حیات ہے۔ جس طرح دنیا میں بننے والی پیچیدہ مشینو ں کے صحیح استعمال کے لئے ان کے ساتھ ہدایت نامہ (Instructions/Guiding Manual) جاری کیا جاتا ہے۔ انسان کی مشین کائنات کی پیچیدہ ترین مشین ہے جسے اپنی سلامتی اور صحیح طور پر چلنے کے لیے ایسے ہدایت نامے کی ضرورت تھی جو جسمانی اور روحانی دونوں لحاظ سے رہنمائی فراہم کر سکے۔ اس پیچیدہ مشین کے خالق نے انسان پر کما ل مہربانی اور شفقت فرماتے ہوئے اسکے لیے مکمل ضابطہ حیات قرآن مجید کی صورت میں عطا فرمایا اوراس ہدایت کو انسانوں تک پہنچانے کے لئے اپنے پیارے رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا جنہوں نے نہ صرف یہ کہ اس پیغام کو پوری محنت سے انسانوں تک پہنچایا بلکہ اسکے مطابق عمل کر کے دکھلایا۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی اس ہدایت نامے کی عملی تصویر ہیں۔ یوں انسان کے لیے دو عظیم ترین نعمتیں قرآن مجید اور اللہ ﷻ کے پیارے رسول ﷺ ہیں۔

انسان کی زندگی خوشیوں، پریشانیوں، مصیبتوں کا مجموعہ ہے۔ یہ کتاب زندگی کی ہر حالت میں مکمل رہنمائی مہیا کرتی ہے۔ سہولت اور آسانی کا وقت تو بہت جلد گزر جاتا ہے لیکن دکھوں اور مصیبتوں میں زندگی کا وقت بہت مشکل سے گزرتا ہے اور بسا اوقات انسان نا اُمید ہو جاتا ہے۔ زندگی کے ان کٹھن حالات میں اگر اس مشین کا صحیح تعلق اس ہدایت نامے سے استوار رہے تو یہ مشکل وقت بھی بڑی آسانی سے گزر جاتا ہے۔ یہ کتابِ ہدایت انسان کے دکھوں کا مداوا ہے۔ اس کا دامن تھام کر انسان کی پریشانیاں دور ہو جاتی ہیں۔ تکلیفیں آسانیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ زندگی آسان

ہو جاتی ہے۔ اگر خدانخواستہ اسکے ساتھ تعلق استوار نہیں تو دنیا کی فراوانی بھی حقیقی خوشی مہیا نہیں کر سکتی ، دل کو سکون نہیں ملتا اور زندگی قلق واضطراب میں ہی گزر جاتی ہے۔ جسکے بعد آخرت میں جواب دہی کا معاملہ شروع ہوگا۔ یقیناً قرآن مجید کی سمجھ سے غافل رہ کر زندگی بسر کرنا بہت بڑی بدنصیبی ہے۔ اس سے واقفیت حاصل کرنا دنیا وآخرت دونوں میں کامیابی کے لیے نہایت ضروری ہے۔

نبی کریم ﷺ پر صحیح ایمان اور تعلق کیلئے قرآن مجید کی پیروی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ قرآن کے احکامات الا ماشاءاللہ ہماری زندگی کا حصہ نہیں۔ حقیقت حال کچھ یوں ہے:

عام طور پر جب کبھی ہمیں دنیاوی غرض وغایت لاحق ہو، نقصان یا خوف کا اندیشہ ہو، جان کنی کا مسئلہ ہو، بیماری یا پریشانی لاحق ہو..... تو ان حالات میں ہم اس کتاب کی طرف حسب ضرورت رجوع کرتے ہیں: قول وقسم اٹھانے کے لئے، تعویذات بنانے یا مخصوص آیات کے وظیفے کے لئے، خطرات اور پریشانیوں سے بچنے کی خاطر اسکا نسخہ گھروں میں رکھنے کے لئے۔

اسی طرح مختلف پرگراموں کے آغاز کے لئے رسمی تلاوت کی حد تک، علماء حضرات کا تعلق اپنے اپنے پسندیدہ مسالک اور فرقوں کی بالادستی کے لئے چیدہ چیدہ آیات کو بنیاد بنانا اور تاویلات کرنا، حفاظ کا الفاظ کی زبانی مشق اور قراء حضرات کی ساری زندگی الفاظ کی ادائیگی کے فن میں ایک دوسرے پر برتری جتانے میں ہی گزر جاتی ہے۔ یوں حقیقت میں ہم نے قرآن کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا ہے جس کی شکایت بروز قیامت نبی کریم ﷺ یوں کریں گے:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ۝﴾

(سورۃ الفرقان:30)

''اور عرض کریں گے رسول ﷺ کہ اے میرے رب میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا (نظر انداز کیا تھا)''

اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر: (قرآن سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟)

آنحضور ﷺ کے ساتھ تعلقات کے حوالے سے مذکورہ حقائق پر عمل پیرا ہونے والوں کی کامیابی کی گارنٹی ان الفاظ کے ساتھ کہ:

(اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْن)۔''یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''

خود پروردگار نے دی ہے۔ اگر ہم ان باتوں کو ملحوظ نہیں رکھتے تو پھر ہمارا حضور ﷺ سے محبت کا محض زبانی دعویٰ ہے جو حقیقت پر مبنی نہیں۔

معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حقیقی تعلق کی درج ذیل بنیادیں ہیں جن کو ملحوظ رکھے بغیر دعویٰ ایمان اور محبت سوائے دھوکے کے کچھ نہیں۔

(1)۔آپ ﷺ پر ایمان لانا، (2)۔دل و جان سے زیادہ محبوب رکھنا، (3)۔ توقیر و تعظیم اور ادب و احترام کو ہر ممکن ملحوظ رکھنا، (4)۔اطاعت و اتباع کرنا: ذہن و مسلک، اکابرین، امام، علماء، پیر حضرات..... سب کی پیروی آپ ﷺ کے تابع کرنا، سنت کی ضد یعنی بدعات سے بچنا، (5)۔نصرت و حمایت یعنی دین کی اشاعت میں آپ ﷺ کا بازو بننا، (6)۔قرآن مجید کو رہنما بنانا، (7)۔غلو یعنی حد سے تجاوز سے بچنا، (8)۔آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا۔

ان حقیقی بنیادوں کی بجائے کلی معیار صرف نعت کو بنا لیا گیا ہے۔ ہماری نظر میں جو نعت پڑھے وہ عاشق رسول ﷺ جبکہ جو نہ پڑھے وہ گستاخ۔اور نعت میں بھی خالق و مخلوق کے فرق کی حدیں ختم کر دی گئی ہیں۔قانون و قاعدے کے تحت نعت کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی تعریف و توصیف مستحسن ہے لیکن معیار اور پیمانہ درج بالا بنیادیں ہیں۔اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نعت درحقیقت کفار کی جانب سے آپ ﷺ پر کئے گئے اعتراضات اور عیوب کا اشعار کی صورت میں جواب تھا۔

باب۴

سنت کا جامع مفہوم

رسالت کے ضمن میں ''سنت'' کے صحیح مفہوم کو جاننا از حد ضروری ہے کیونکہ یہی وہ چیز ہے جس پر عمل پیرا ہونا ہے۔ رسالت کی ضد تو آبا پرستی ہے جبکہ سنت کی ضد بدعت ہے۔ سنت کی تفہیم سے قبل یہ جاننا ضروری ہے کہ دین سے کیا مراد ہے۔؟

دین کا لغوی معنی: دین کا لغوی معنی ہے فیصلہ یا قانون، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں قرآن میں آیا: (فی دین الملک) یعنی بادشاہ کے قانون کی رو سے۔

شرعی اعتبار: شریعت کی رو سے دین انسان کیلئے عالم دنیا میں خالق کی طرف سے عطا کردہ 'ہدایت' کا نام ہے جو اس نے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں تک پہنچائی ہے۔ تا قیامت دین کی تکمیل حضرت محمد ﷺ پر کر دی گئی ہے۔ یہ دین 'فطری ہدایت' (معروف و منکر) اور تفصیلی ہدایت یعنی 'تعلیماتِ وحی' پر مشتمل ہے۔

دین کی بنیاد: دین کی درج ذیل بنیادیں ہیں:

(۱)۔قرآن، (۲)۔سنت، (۳)۔اجماع و تواتر، (۴)۔اجتہاد، اور (۵)۔قیاس

ان کی مختصر وضاحت پیش خدمت ہے:

(۱)۔قرآن حکیم: خالق کا تا قیامت آنحضرت ﷺ پر نازل کردہ انسانیت کیلئے آخری پیغام۔ قرآن ہر شے پر حاکم و جج ہے اور کسی چیز کو قرآن کے اوپر نہیں لایا جا سکتا بلکہ ہر رہنمائی کو اس کے تابع کرنا ہے۔ جو اس معیار سے ہٹ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔

(۲)۔سنت: سنت کی تفصیل ان شاءاللہ آگے بیان ہوگی۔

(۳)۔اجماع وتواتر:

تواتر: کسی بات کو مسلسل کہنا یا کرنا۔ ہر زمانے میں اتنی تعداد ہو کہ جھوٹ پر مجتمع ہونا ممکن نہ ہو۔

اجماع: رسول اللہ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد کسی زمانے کے تمام علماء کا کسی حکمِ شرعی پر متفق ہو جانا۔یعنی تمام لوگوں کا اتفاق اور انکار کی نفی کرنا اجماع کہلاتا ہے۔کسی مسئلے پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا متفق ہونا 'اجماع صحابہ' اور ساری امت کا متفق ہونا 'اجماع امت کہلاتا ہے۔اس ضمن میں درج ذیل دلائل ہیں:

☆ ﴿وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَاتَوَلّٰى وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَ سَآءَ ت مَصِيْرًا﴾(سورۃالنساء:115)

''جو رسول کی مخالفت کرے گا اس کے بعد کہ ہدایت کا راستہ واضح ہو گیا ہو اور مومنین کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر چلے تو جو کچھ وہ کرتا ہے اسے ہم کرنے دیں گے اور (بروز قیامت) اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بُری جگہ ہے۔''

☆ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

((لن تجتمع امتی علی الضلا لة))(المستدرک للحاکم:رقم:399)

''اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی بھی گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔''

☆ ''اللہ میری امت کو گمراہی پر متفق نہیں رکھے گا، اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے اور جو الگ راستہ اختیار کرے گا جہنم کی طرف جائے گا۔''(ترمذی،ابواب الفتن)

چند مثالیں: (۱)۔قرآن کو کتابی شکل میں ایک جگہ اکٹھا کرنا،اعراب لگانا، (۲)۔تراویح کا پورا ماہ جماعت سے ادا کرنا،(۳) بھینس کا حلال ہونا،(۴)لاؤڈ سپیکر پر نماز، (۵)جنس کی جگہ نقدی میں زکوٰۃ وغیرہ

(۴)۔اجتہاد: وہ مسائل جن کے متعلق قرآن وسنت میں واضح احکامات موجود نہ ہوں ان کے حل کیلئے ماہرین اہل علم کی جدوجہد اجتہاد کہلاتی ہے۔جیسے: خون دینا، آنکھوں، گردوں کا عطیہ وغیرہ۔اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔

(۵)۔قیاس: قرآن وسنت کی روشنی میں نئے مسئلوں کے حل کیلئے تجزیاتی موازنہ کرنا، چیزوں کے موازنہ سے حل نکالنا جیسے: شراب تو حرام ہے جس کی علت نشہ ہے۔اسی علت کی بنیاد پر دیگر نشہ آور چیزوں کے متعلق حکم معلوم کرنا قیاس کہلاتا ہے۔شراب میں عقل موقوف ہوجاتی ہے تو جونشہ بھی عقل موقوف کرے وہ حرام ہوگا۔بھینس کو گائے پر قیاس کر کے اجتہاد کیا گیا ہے۔

نوٹ: اجتہاد اور قیاس کیلئے بھی شرط یہ ہے کہ قرآن وسنت کی مخالفت نہ آئے۔

دین کے متعلق اس بنیادی معلومات کے بعد اب ہم سنت کو سمجھتے ہیں۔یہاں تفہیم کے طور پر سنت کا صرف اجمالی بیان کیا جائے گا جبکہ تفصیل کیلئے ہر موضوع پر الگ الگ کتب درکار ہیں۔

لغوی مفہوم: لغت کے اعتبار سے سنت کا معنیٰ 'طریقہ یا راستہ' ہے جس پر چلا جائے یا عمل کیا جائے۔خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا۔

اصطلاحی معنیٰ: شرعی اصطلاح میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے کو سنت کہتے ہیں جسے وہ بطور دین جاری فرمادیں۔'سنت' سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے۔گویا سنت درحقیت پورے دین کا نام ہے اسلئے اسے سمجھنا انتہائی ضروری ہے۔

سنت عوام کی نظر میں: عوام (بالخصوص برصغیر پاک وہند) کی نظر میں سنت:

''وضو نماز کی سنتیں، مسواک کی سنتیں، کھانے پینے، سونے جاگنے، مسجد یا گھر سے نکلنے داخل ہونے، ملنے جلنے، سفر کرنے، کپڑا، ٹوپی، امامہ پہننے میں ..... نبی کریم ﷺ کے طریقے پر عمل کرنا۔''

بلاشبہ یہ بھی پیارے رسول ﷺ کی سنتیں ہی ہیں جن پر عمل پیرا ہونا یقیناً خیر کا باعث ہے۔ان سنتوں کا

بڑا حصہ درحقیقت زندگی کے حفاظتی اقدامات (Safety Measures) پر مشتمل ہے۔جن پر عمل پیرا ہونا ثواب کے ساتھ ساتھ انسان کی صحت و زندگی کی بہترین حفاظت کا ذریعہ ہے لیکن یہ سنت کا پورا مفہوم نہیں بلکہ اسکا کچھ حصہ ہے جس کی تفصیل انشاءاللہ آگے بیان ہوگی۔

سنت کا ماخذ: آپ ﷺ کی سنت (یعنی طریقے) کا ماخذ قرآن، حدیث اور تواتر ہیں۔ جب تک احادیث مرتب نہیں ہوئیں تھیں تو قران اور تواتر منبع تھا۔ پھر محدثین نے زبردست اصولوں (اسماء الرجال اور درایت و متن) کے تحت تواتر کو تحریر میں لکھ کر کتبِ احادیث مرتب کر دیں۔اب ہمارے لئے سنت کا منبع قرآن حکیم، احادیثِ (صحیحہ) اور عملی تواتر ہے۔لہٰذا سنت کی صحیح تفہیم کیلئے ان تینوں بنیادوں (قرآن حکیم، احادیثِ (صحیحہ) اور عملی تواتر) کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اقسامِ سنت: علمائے اصول کے مطابق سنت کی تین اقسام ہیں:

(۱)۔قولی سنت یعنی آپ ﷺ کا ارشادِ مبارک

(۲)۔فعلی سنت یعنی آپ ﷺ کا عمل مبارک

(۳)۔تقریری سنت: وہ کام جو آپ ﷺ کے سامنے کیا گیا ہو، اسے آپ ﷺ نے پسند فرمایا ہو یا اس پر خاموشی اختیار فرمائی ہو تقریری سنت کہلاتا ہے۔

فقہی اصطلاح: فقہی اصطلاح میں فرائض و واجبات سے فرق کرنے کیلئے: نفل، سنت اور مستحب کی اصطلاحات مروج کی گئی ہیں لیکن حقیقت میں فرائض و واجبات بھی سنت (یعنی آپ ﷺ کا طریقہ) ہی ہیں جو دین کا ضروری حصہ ہیں۔

سنت کا جامع مفہوم

جیسا کہ سابقہ گفتگو میں یہ نکتہ اٹھایا گیا کہ عوام کی نظر میں سنت کا بہت ہی محدود تصور ہے یعنی:

''مسواک ،کھانے پینے، سونے جاگنے، مسجد یا گھر سے نکلنے داخل ہونے، ملنے جلنے، سفر کرنے، کپڑا، ٹوپی، امامہ شریف پہننے۔۔آپ ﷺ کا طریقہ ہی صرف سنت کا دائرہ

ہے۔''

قرآن اور حدیث میں فرق کرنے کیلئے احکاماتِ دین کو دو حصوں (قرآن اور سنت) میں تقسیم کیا گیا ہے، لیکن حقیقی معنوں میں 'سنت' سے مراد آنحضور ﷺ کا راستہ یا طریقہ یا طرز زندگی یا اسوہ مبارک ہے جو کہ قرآن، حدیث اور تواتر پر مشتمل ہے۔ گویا آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ، اسوہ مبارک اور خُلق ہی درحقیقت 'سنت' ہے جسکا منبع و بنیاد قرآن مجید، صحیح احادیث اور تواتر ہے۔ سنت کے جامع مفہوم کو سمجھنے کیلئے درج ذیل دلائل پر غور فرمائیں:

☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

((كان خلقه القرآن)). ''آپ ﷺ کا خلق قرآن تھا۔'' (صحیح مسلم، ابوداؤد)

یعنی آپ کا طرزِ عمل، طرز زندگی (Way of Life) قرآن کے مطابق تھا۔

☆ آپ ﷺ کا دین سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت، طریقہ، یا سنت ہے جیسا کہ فرمایا:

﴿ثُمَّ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡکَ اَنِ اتَّبِعۡ مِلَّۃَ اِبۡرٰہِیۡمَ حَنِیۡفًا وَ مَا کَانَ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ۝﴾ (سورۃ النحل: 123)

''پھر ہم نے وحی کی تمھاری طرف کہ پیروی کرو ابراہیم کی ملت کی جو یکسو تھا اور وہ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا۔''

☆ سنت درحقیقت تعلیماتِ قرآن کا عملی پہلو ہے جیسا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا:

''امانت آسمان سے لوگوں کے دلوں میں اتری ہے اور قرآن بھی (آسمان) سے نازل ہوا ہے جسے لوگوں نے پڑھا (وعملوا من السنۃ) اور سنت کے ذریعے اس (قرآن) پر عمل کیا۔''

(بخاری، کتاب الاعتصام والسنۃ)

بات بالکل واضح ہوگئی کہ سنت درحقیقت قرآن حکیم کا عملی پہلو ہے۔

☆ مفہوم: وہ تین لوگ جنہوں نے اللہ کی محبت میں تین فیصلے کئے: ''ایک نے کہا میں ہمیشہ ساری

رات نماز پڑھوں گا، دوسرے نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا اور تیسرے نے نکاح نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ ﷺ بہت ناراض ہوئے اور فرمایا..... میں روزے رکھتا بھی ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، (رات کو) نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں نے عورتوں سے شادی بھی کی ہے (پس یہ سارے کام میری سنت) ہیں اور (**فمن رغب عن سنتی فلیس منی**)۔ جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ میں سے نہیں۔'' (بخاری: رقم:5063)

یہاں آپ ﷺ نے نماز، روزہ، نکاح سمیت پورے دین کو اپنی سنت قرار دیا جس سے سنت کا جامع مفہوم واضح ہو گیا کہ سنت سے مراد آنحضور ﷺ کی پوری طرزِ زندگی ہے۔

آپ ﷺ کی سنت کے اولین پیرو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، اسلئے صحابہ کرامؓ کا اجماعی طریقہ (انفرادی بھی جب تک اختلاف نہ ہو) بھی درحقیقت نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہی ہے۔ اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع بھی درحقیقت سنت میں ہی داخل ہے (دیکھئے سورۃ النساء: آیت۔115) اور اسکا منبع بھی قرآن مجید اور صحیح احادیث ہیں۔

اب تک کی گفتگو سے یہ اہم بات سامنے آ گئی کہ:

دین 'سنت رسول ﷺ' کا نام ہے۔ 'سنت' سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے جو درج ذیل باتوں کو محیط ہے:

(۱)۔فرائض و واجبات (لازمی حصہ)، (۲)۔سنت موکدہ (فرائض و واجبات کے بعد درجہ)، (۳)۔نوافل و مستحبات (ضروری نہیں، کوئی عمل کرے گا تو اجر پائے گا نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا)، (۴)۔طبعی امور: کھانے پینے، صحت و تندرستی کے متعلق رہنمائی۔(۵)۔دنیاوی امور: زندگی گزارنے کے بہترین عمدہ طریقوں پر رہنمائی۔ جو بھی ان پر عمل کرے گا اجر اور فائدہ پائے گا۔

انکی مختصر وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

(ا)۔ فرائض و واجبات: اولین درجے میں فرائض و واجبات اور حلال وحرام (عقائد و اعمال بشمول حقوق اللہ، حقوق العباد، اخلاقیات، معاملات، معاشیات، رسوم وآداب اور خور ونوش) ہیں۔نجات کا دارو مدار انہیں پر ہے۔ پرسش، حساب کتاب بھی انہیں کا ہوگا۔اگر کسی نے فرائض و واجبات اور حلال وحرام کی پروانہ کی تو وہ آپ ﷺ کی سنت (طریقے) سے ہٹ کر نافرمانی کا مرتکب ہوکر فلاح سے دور ہوگیا۔سنت کے باقی اجزاء صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہوں گے جب یہ حصہ (١٠٠ فیصد) پورا کیا جائے۔پس! ہر وہ چیز جس پر فرض واجب کا اطلاق ہوجائے اسے مظبوطی سے پکڑنا ہے۔دانستہ طور پر کسی ایک حکم میں بھی گڑ بڑھ قبول نہیں۔مگر کہیں کوتاہی ہوجائے تو فوراً پلٹ آنا ہے اس پر اصرار نہیں کرنا۔کبائر کی اہمیت کی بابت اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا کَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ نُدْخِلْکُمْ مُّدْخَلًا کَرِیْمًاo﴾ (سورۃ النساء، آیت: 31)

''اگر تم بڑے گناہ جن سے تمھیں منع کیا جاتا ہے اجتناب کروگے تو ہم تمھارے چھوٹے گناہ معاف کردیں گے اور تمہیں عزت کے مکانوں میں داخل کریں گے۔''

یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ دانستہ صغائر پر مداومت کرنا بھی رفتہ رفتہ بڑے گناہ بن جاتے ہیں۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم فرائض و واجبات کو تو سو فیصد پورا نہیں کرتے اور زائد بہت سی چیزیں اٹھائی ہوئی ہیں۔

اسلام نے کوئی خاص لباس مقرر نہیں کیا تاہم کچھ شرائط بیان کی ہیں۔حلیہ ولباس کے حوالے سے ضروری سنت کا دائرہ یوں ہے:

''(ا)۔شکل وصورت، وضع قطع یا لباس میں ایسی صورت اختیار کرنا جو کسی دوسرے مذہب کی مذہبی علامت ہو یا جس سے روکا گیا ہو جیسے: بالوں کا قزع بھنوں کا ڈیزائن، فرنچ کٹ، جسم گندوانا......

وغیرہ ممنوع ہے۔(۲)۔ایسا لباس جو تکبر کا باعث بنے وہ ممنوع ہوگا۔(۳)۔ایسا باریک اور تنگ لباس جس سے جسم کے چھپائے جانے والے اعضاء کا اظہار ہو منع ہے،(۴) ریشم کا لباس مرد کیلئے منع ہے،(۵)۔مرد کے لباس کی عورت سے اور عورت کی مرد سے مشابہت ممنوع ہے،(۶)۔ڈاڑھی مبارک: اس معاملے میں اہل علم کی تحقیق کا خلاصہ یوں ہے:

مرد اور عورت دو الگ جنسیں تخلیق کی گئی ہیں۔مرد کو داڑھی سے نوازا گیا ہے جبکہ عورت کی ڈاڑھی نہیں۔اسلئے مشابہت سے بچنے اور اللہ کی تخلیق کے بگاڑ سے بچنے کیلئے ڈاڑھی ضروری ہے۔اس ضمن میں کئی اہل علم کے نزدیک شیو کی بجائے بالوں کا اتنا بڑھانا کہ جس پر ڈاڑھی کا اطلاق ہو سکے واجب ہے۔اس کے بعد مزید بڑھا کر کم از کم ایک مشت کرنا سنت ہے۔اور بعض کے نزدیک ایک مشت کرنا بھی واجب ہے جبکہ بعض کے نزدیک ڈاڑھی کو کاٹا ہی نہیں جا سکتا۔(واللہ اعلم)۔

اس ضمن میں یہ بات ذہن نشین رہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام، انکے پیروکار سمیت ہمارے پیارے رسول ﷺ اور انکے اصحاب (رضی اللہ عنہم) سے متواتر ڈاڑھی کا رکھنا ہی ثابت ہے۔بلکہ نسل انسانی کی ابتدا سے ہی مسلم غیر مسلم بلاتفریق سب ڈاڑھی رکھتے تھے۔یہ تبدیلی بہت بعد میں شروع ہوئی۔

حلیہ ولباس کے حوالے سے اگر کوئی مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتا ہے تو وہ الحمد للہ، اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی راہ پر ہی ہے۔ان شرائط کو ملحوظ رکھنے کے بعد ظاہر کی مزید درستگی کے ساتھ ساتھ زیادہ فکر باطنی برائیوں کی اصلاح پر رہے گی تو اللہ کے ہاں ہم نجات یافتہ ہو سکیں گے۔لیکن ظاہر کی درستگی اور باطن کا مذکورہ بگاڑ ہوا تو اللہ کی پکڑ سے بچنا مشکل ہو جائے گا۔اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔(آمین)

(۲)۔<u>سنت موکدہ:</u> فرائض وواجبات سے نیچے وہ کام جن پر آپ ﷺ نے پابندی اختیار کی ہو لیکن کبھی کبھار چھوڑ بھی دیا ہو کہ کہیں امت پر فرض نہ ہو جائے۔بلاوجہ ایسے امور کو ہمیشہ ترک کرنے سے بچنا ہے۔جبکہ کبھی کبھار ترک کرنے میں حرج نہیں۔جیسے: فجر میں فرض رکعت سے قبل دو رکعات، ظہر کی فرض سے قبل چار اور بعد میں دو، مغرب میں فرض کے بعد دو اور

عشاء میں فرض کے بعد دو رکعات۔

(۳)۔ نوافل و مستحبات: ان پر عمل پیرا ہونا مزید ثواب کا باعث جبکہ عمل پیرا نہ ہونے پر کوئی گناہ یا حرج نہیں۔ یہ مزید قرب کا باعث ہیں۔ ڈیوٹی سے زائد کام کرنے والے اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ لیکن اس ضمن میں یہ ضروری بات ذہن نشین رہے کہ:

''نوافل و مستحبات صرف اسی صورت میں فائدہ مند ہیں جب فرائض و واجبات کو پورا کر دیا جائے۔ فرائض و واجبات پورے نہ کر کے نوافل و مستحبات ادا کرنے کا نتیجہ فلاح کی بجائے ناکامی ہی ہوگا۔ یہ بڑی کمزوری ہے جس میں اس وقت امت مسلمہ بری طرح مبتلا ہو چکی ہے۔ لوگوں کو فرائض و واجبات اور حلال و حرام (عقائد و نظریات، عبادات، اخلاقیات و معاملات) کا تو پوری طرح علم اور لحاظ نہیں لیکن زائد کام بہت سے اٹھائے ہوئے ہیں۔''

(۴)۔ طبعی امور: شرعی احکام کے علاوہ کچھ ایسے امور بھی ہیں جن کا تعلق انسانی طبیعت کے ساتھ ہے۔ ان کا زیادہ تر حصہ حفاظتی اقدامات جیسے: لباس (سفید)، کھانے پینے میں پسندیدگی، سرمہ لگانا، سفر میں تیل کنگھا ساتھ رکھنا، زلفیں رکھنا..... وغیرہ۔ ان امور کو کوئی نہ بھی اختیار کرے تو گنہگار نہیں ہوگا لیکن فرائض و واجبات کی پابندی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی ایسے اعمال کی جذبہ محبت سے اتباع بھی بہت سعادت کا باعث ہے۔ لیکن عمل پیرا نہ ہونے والوں پر کوئی ملامت نہیں۔ آپ ﷺ نے جو طبعی عمل بھی اختیار فرمایا دنیا کے لحاظ سے بھی اسی میں فائدہ ہے جیسا کہ آج جدید ریسرچ سے ثابت ہوتا جا رہا ہے۔

لباس میں سفید رنگ آپ ﷺ کو زیادہ پسند تھا۔ یہ نفیس بھی ہے اور نقصان دہ شعاؤں، حرارت وغیرہ سے حفاظت (Safety Measures) کا ذریعہ بھی۔ یہ فرض و واجب تو نہیں لیکن اس سنت کو اپنانا مزید ثواب کے ساتھ ساتھ صحت کیلئے بھی مفید ہے۔ تاہم آپ ﷺ نے سبز، سرخ لباس بھی زیب تن فرمایا ہے۔ اسی طرح: امامہ شریف، ٹوپی، زلفیں رکھنا بھی افضل و

مستحسن ہے لیکن انہیں نہ اپنانے پر گناہ نہیں۔ یہ چیزیں بھی درحقیقت دماغ کو موسمی اثرات: گرمی وسردی کی شدت، حادثات: چوٹ، آگ .... وغیرہ سے بچاؤ کیلئے خالق کی طرف سے عنایت کردہ حفاظت: (دماغ کی Skull، جلد، بالوں) کے ساتھ مزید حفاظت کا ذریعہ ہیں۔جیسا کہ جدید دور میں ہیلمٹ، ہیٹ وغیرہ کا سہارہ لیا جاتا ہے۔زلفیں گردن کی گدی میں موجود حرام مغز کو گرمی کی شدت سے بچانے کا ذریعہ ہیں۔ان سب سنتوں کو اپنانا مزید ثواب کے ساتھ ساتھ صحت کیلئے بھی مفید ہے۔

اس ضمن میں دو انتہائیں ہیں: دنیادار لوگ ان چیزوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے (جو کہ خسارہ ہے) جبکہ مذہبی لوگ انہیں لازم قرار دیتے ہوئے تقویٰ کا کلی معیار ہی ظواہر کو قرار دیتے ہیں (جبکہ ہمیں حکم تبدیل کرنے کی بجائے انہیں افضل ومستحب کے درجے میں ہی رکھنا چاہئے)۔

فرائض وواجبات کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ مستحبات پر عمل پیرا ہونا مزید قرب کا باعث ہے ۔لیکن اگر کوئی ایسی چیزوں پر عمل نہ بھی کر سکے تو بحیثیت مسلمان نبی کریم ﷺ کی ہر سنت سے دلی محبت ہونی چاہئے۔

(۵)۔ <u>دنیاوی امور:</u> جہاں تک معاملہ دنیاوی امور کا ہے تو بات سمجھنے کیلئے درج ذیل روایات پر غور فرمائیں:

(a): نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کھجوروں کی پیوند کاری کیا کرتے تھے، آپ ﷺ نے انہیں پیوند کاری نہ کرنے کا مشورہ دیا جس سے پیداوار کم ہوگئی، جب انہوں نے اسکے متعلق آپ ﷺ سے بات کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں ایک انسان ہوں جب میں تمھیں تمھارے دین کے کسی معاملے کے بارے میں حکم دوں تو اسکی تعمیل کرو اور جب میں اپنی رائے سے کسی چیز کے متعلق تمھیں کوئی حکم دوں تو میں بھی ایک

انسان ہوں۔'' (مشکوٰۃ، الایمان، رقم:148: مسلم)

یعنی اس طرح کے دنیاوی معاملات کو فہم وبصیرت اور تجربات ومشاہدات پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

(b): ''حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں، غلامی سے آزادی کے بعد انھوں نے اپنے خاوند سے علیحدگی (جو کہ آزادی کے بعد انکا حق تھا) کا ارادہ کرلیا۔ انکے خاوند نے نبی کریم ﷺ سے سفارش کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے جب حضرت بریرہؓ کو نکاح قائم رکھنے کا فرمایا، اس پر حضرت بریرہؓ نے عرض کیا: حضور ﷺ یہ آپکا حکم ہے یا مشورہ، آپ ﷺ نے فرمایا مشورہ تو حضرت بریرہؓ نے عرض کیا تو حضور ﷺ مجھے اپنے شوہر کے ساتھ رہنے کی حاجت نہیں۔'' (بخاری، باب الطلاق:5283)

یعنی دنیاوی معاملات کو فہم وبصیرت اور تجربات ومشاہدات پر چھوڑا گیا ہے۔ اس حوالے سے جب تک بطور دین عمل پیرا ہونے کا حکم نہ ہو اس پر عمل پیرا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

سنت کی اجمالی طور پر وضاحت پیش کردی گئی ہے۔ سنت چونکہ پورے دین کا احاطہ کئے ہوئے ہے اسلئے دین کے تمام پہلوؤں: نظریات، عبادات، اخلاقیات ومعاملات، معاشیات..... کی تفصیل قرآن وسنت میں موجود ہے جس کا احاطہ کرنا یہاں مقصود نہیں۔

باب ۵

عظمت وفضیلت

خالق نے انسانیت کو اندھیروں سے نکالنے اور روشنی کی طرف لانے کے لئے اپنے خاص بندے انبیائے کرام علیہم السلام مبعوث فرمائے ہیں جنہوں نے اپنے خالق کا پیغامِ ہدایت لوگوں تک پوری محنت سے پہنچایا۔ اس سلسلہ نبوت کو کائنات کی افضل ترین ہستی، سید الاولین والآخرین، محبوب خدا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم پر ختم کیا اور آپ ﷺ پر نازل کردہ نور ہدایت کو قیامت تک کے لیے محفوظ کر دیا گیا۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو آنحضور ﷺ کے اُمّتی بنے۔ آنحضور ﷺ کے سیرت و عظمت کا ہر پہلو بے مثل ہے، آپ ﷺ کی ذات گرامی پر خود خالق کائنات صلوٰۃ وسلام کی صورت میں رحمتیں نازل فرماتا ہے، آپ ﷺ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین آپ کو راضی کرتا ہے، آپ ﷺ کے اخلاق سراپا قرآن ہیں، آپ ﷺ انبیاء ورسل کے قائد اور اولین وآخرین کے امام ہیں۔ آپ ﷺ کو نبی تسلیم کرنے سے انسان کفر سے اسلام میں داخل ہوجاتا ہے، آپ ﷺ کا ذکر مبارک پروردگار عالم نے کلمہ، نماز، اذان اور دیگر عبادات میں شامل کیا ہے، بروز قیامت آپ ﷺ کا جھنڈا ہر نبی کے جھنڈے سے بلند ہوگا، آپ ﷺ پر شفاعت کا دروازہ کھلے گا۔ آپ ﷺ کی سیرت وعظمت کے چند اہم پہلو پیش خدمت ہیں۔

<u>سب سے بڑی عظمت کا ایک پہلو!:</u> کسی کے لئے سب سے بڑی عظمت یہ ہے کہ اسے رب کا قرب نصیب ہوجائے، رب کی خصوصی توجہ نصیب ہوجائے۔ خالق کائنات کسی شخص کا رحمت و شفقت سے ایک دفعہ نام لے کر اسے مخاطب کرلے تو وہ بندہ جملہ مخلوقات کے لئے قابل رشک

ہو جاتا ہے۔ وہ چند اصحاب جن کا ذکر اشارتاً قرآن مجید میں آیا، جب ان کو معلوم ہوا کہ رب کائنات نے ان کا ذکر کیا ہے تو انکی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ اب ذرا سوچیں ہمارے پیارے رسول ﷺ کے متعلق جن کے تذکرے سے قرآن بھرا پڑا ہے، جن سے بذریعہ وحی خالق کائنات کا تعلق قریباً 23 برس رہا ۔جن کو معراج کی صورت میں آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور رب کا قرب نصیب ہوا، اذان اور نماز میں جن کا ذکر خیر لازم قرار دیا جائے، کلمے میں جن کی رسالت کا اقرار کئے بغیر انسان دائرہ اسلام میں داخل نہ ہو سکے۔ یقیناً اللہ جل جلالہ کی نظر میں وہ بہت عظیم ہیں۔ انسانیت کی عظمت کا یہ سب سے بڑا پہلو ہے جو انبیائے کرام علیہم السلام کے حصے میں آیا اور جس کی تکمیل ہمارے پیارے رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (فداک امی و ابی) پر ہوئی۔

<u>سب سے بڑی عظمت کا دوسرا پہلو!:</u> عظمتِ انسانیت کا دوسرا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ اس مصائب و آلام اور اسباب کی زندگی کے کسی بھی موڑ پر تنگی و کشادگی میں، پریشانی و خوشحالی میں اپنے آپ کو ہمیشہ اللہ جل جلالہ کے ساتھ وابستہ رکھا جائے اور مشکل سے مشکل حالت میں بھی اسکے احکام نہ ٹوٹنے دیئے جائیں۔ ہمہ تن اپنے آپ کو اس کی تابعداری کے لئے پیش رکھا جائے۔ اگر اس تناظر میں دیکھا جائے تو کیا آپ ﷺ سے بڑھ کر بھی کسی پر پریشانیاں آئیں؟ آپ ﷺ نے کئی کئی دن تک فاقہ کیا، پیٹ پر پتھر باندھ کر خندقیں کھودیں، غزوات میں خود شریک ہوئے، شعب ابی طالب کی گھاٹی میں دو سال تک محصور رہے، درختوں کے پتے کھا کر گزارہ کیا، خود بھوکے رہے، دوسروں کو ترجیح دی اور ہر حال میں اُمت کے لئے نمونہ بنے رہے۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے بڑے سے بڑا خطرہ بھی مول لینے سے گریز نہ کیا۔ چنانچہ جب کفار مکہ نے آپ ﷺ کی بات ماننے سے انکار کر دیا تو نبوت کے دسویں سال آپ ﷺ نے طائف کی طرف رُخ کیا اس اُمید کے ساتھ کہ وہاں قبیلہ ثقیف کی بڑی جماعت ہے شاید وہ اللہ کے پیغام پر لبیک کہیں اور مسلمانوں کو کفار مکہ کے ظلم و ستم سے نجات مل جائے۔ وہاں پہنچ کر قبیلہ کے تین بڑے درجے کے سرداروں کو دعوت دی، بجائے

مہمان نوازی کے وہ سردار بڑی بے رخی اور بداخلاقی سے پیش آئے اور آپ ﷺ پر طنز کیا، آپ ﷺ نے دوسرے لوگوں سے بات کی، انہوں نے بھی بات قبول نہ کی بلکہ اپنے شہر سے فوراً نکل جانے کو کہا۔ جب آپ ﷺ بالکل مایوس ہوکر واپس ہونے لگے تو ان لوگوں نے شہر کے شریر لڑکوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگا دیا تا کہ مذاق اڑائیں، تالیاں پیٹیں اور پتھر مارے حتّٰی کہ آپ ﷺ کے دونوں جوتے مبارک خون کے جاری ہونے سے رنگین ہوگئے۔ آپ ﷺ اسی مشکل حالت میں واپس ہوئے۔ اس شدید ترین مشکل حالت میں بھی آپ ﷺ نے اپنے رب کی رضا کو ہی پیش نظر رکھا اور جب ان شریروں سے کچھ اطمینان ہوا تو اپنے پروردگار سے یوں دعا کی!

اللهم اليک اشکو ضعف قوتی و قلة حیلتی وهوانی علی النا س یا ارحم الرحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجهمنی ام الی عدو ملکته امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک هی اوسع لی اعوذ بنور وجهک الذی اشر قت له الظلمات وصلح علیه امر الدنیا والاخرة من ان تنزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی تر ضی ولا حول ولا قوة الا بک کذا فی سیرة ابن هشام قلت واختلف الروایات فی الفاظ الدعاء کما فی قره العیو ن.

اے اللہ تجھی سے شکایت کرتا ہوں میں اپنی کمزوری اور بیکسی کی اور لوگوں میں ذلت اور رسوائی کی اے ارحم الراحمین تو ہی ضعفاء کا رب ہے اور تو ہی میرا پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالے کرتا ہے۔ کسی اجنبی بیگانہ کے جو مجھے دیکھ کر ترش رو ہو جاتا ہے اور منہ چڑھاتا ہے یا کہ کسی دشمن کے جس کو تو نے مجھ پر قابو دے دیا ہے۔ اے اللہ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے کسی کی بھی پروا نہیں ہے۔ تیری حفاظت مجھے کافی ہے میں تیرے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تمام اندھیریاں روشن ہو گئیں اور جس سے دنیا اور آخرت کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر تیرا غصہ ہو یا تو مجھ سے ناراض ہو، تیری ناراضگی کا اس وقت تک دور کرنا ضروری ہے جب تک تو راضی نہ ہو، نہ تیرے سوا کوئی طاقت ہے نہ قوت۔

اس دردناک صورت حال میں مالک الملک کی شان قہاری کو جوش آیا اور ملک الجبال نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو اس کی تعمیل کر دوں، اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں۔ قربان جائیں۔ آنحضور ﷺ کے صبر و استقلال اور انسانی ہمدردی اور خیر خواہی پر فرمایا: میں اللہ سے اس کی اُمید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے

تو ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں۔

یہ جو کچھ آپ نے ملاحظہ کیا یہ انسانیت کی عظمت کا دوسرا سب سے بڑا پہلو ہے جو آنحضور ﷺ کی عظمتوں اور رفعتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ دوسری طرف ہماری حالت یہ ہے کہ سب نعمتیں میسر ہونے کے باوجود بھی دین کا کام نہیں کرتے، ذرا سی تکلیف آجائے تو شکوے شکائتیں شروع کر دیتے ہیں۔ مزید یہ کہ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ سے کس قدر محبت تھی اس کا اندازہ درج ذیل روایت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

''اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے، میری خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر اللہ کی راہ میں شہید ہو جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر اللہ کی راہ میں قتل ہو جاؤں''

(صحیح بخاری، کتاب الجہاد، مسلم، نمبر:4864)

آنحضور ﷺ کے فضائل ومناقب اور خصائص

اللہ تعالیٰ بڑا قدردان ہے، جو اللہ کے ہو جائیں، اللہ ان کی قدر کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے اپنے رب کے لئے جو قربانیاں دیں انکی مثال نہیں ملتی۔ اللہ رب العزت نے جو قرب آپ ﷺ کو عطا فرمایا اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ قرآن وسنت میں آپ ﷺ کے خصائص کا بھرپور بیان موجود ہے، ان میں سے چند پیش خدمت ہیں:

فضائل ومناقب قرآن مجید سے

(۱): <u>تا قیامت ساری انسانیت کے رسول:</u> دیگر انبیاء ورسل علیہم السلام کسی خاص قوم، قبیلے کی طرف رسول بنا کر بھیجے جاتے تھے جبکہ ہمارے پیارے رسول ﷺ تا قیامت ساری انسانیت کیلئے رسول بنا کر بھیجے گئے:

﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ۨ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ

الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ﴾ (سورۃ الاعراف آیت:158)

''(اے نبی) اعلان فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں، اس ذات کی طرف سے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی زندہ کرتا اور مارتا ہے۔''

مزید فرمایا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝﴾ (سورہ سبا، آیت:28)

''اور نہیں بھیجا ہم نے تمہیں مگر سارے لوگوں کیلئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

(۲)۔ خُلقِ عظیم: آپ ﷺ کو اخلاق کے سب سے بلند مقام پر فائز کیا گیا:

﴿ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِيْمٍ۝﴾ (سورۃ القلم:4)

''اور یقیناً آپ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہیں۔''

(۳)۔ سراپا رحمت: آپ ﷺ کو تمام جہانوں کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا گیا:

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۝ قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝﴾ (الانبیاء: 107-108)

''اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو مگر تمام جہانوں کیلئے رحمت بنا کر۔ فرما دیجئے میری طرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تم سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے تو کیا تم ماننے والے ہو؟

یہ آپ ﷺ کی تخصیص ہے کہ آپ ﷺ سرتا پا سب کیلئے: اہل ایمان، کفار، حیوانات وجمادات . . . . سب مخلوقات کے خیر خواہ، دعا کرنے والے، سب کا بھلا چاہنے والے، معاف کرنے والے، احسان کرنے والے اور دوسروں کو رنج وتکالیف سے بچانے

والے تھے۔

(۴)۔ امت کیلئے حریص: ہم تو صرف اپنی اپنی ذات کیلئے حریص ہیں، لیکن پیارے رسول ﷺ اپنی امت کی خیر خواہی کے بہت حریص رہتے تھے اور امت کی پریشانیاں و تکالیف آپ ﷺ پر نہایت گراں گزرتی تھیں:

﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۝﴾ (سورہ توبہ:9: آیت:128)

''یقیناً آ گیا تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول۔ جس پر تمہاری تکالیف گراں گزرتی ہیں، وہ تمہارے فائدے کیلئے بہت حریص ہے، اہل ایمان کیلئے بہت شفیق اور مہربان ہے۔''

(۵)۔ نرم مزاجی: نبی کریم ﷺ کو پروردگار نے انتہائی نرم مزاج سیرت سے نوازا تھا، ارشاد ہوا:

﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَ لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ﴾ (آل عمران:3: آیت:159)

''اللہ تعالیٰ کی رحمت کے باعث آپ ان پر نرم دل ہیں اور اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے چھٹ جاتے۔''

(۶): ذکر کی بلندی: کفار کا یہ کہنا کہ اس نبی (ﷺ) کے پیروکار بے نام ہو جائیں گے اور اس دعوت کو کوئی قبول نہیں کرے گا، پروردگار نے آپ ﷺ کی تقویت اور حوصلہ افزائی کیلئے فرمایا:

﴿وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ﴾ (سورۃ الانشراح، آیت 4)

''اور ہم نے آپ کے لئے آپ کا ذکر بلند کر دیا۔''

یوں آپ ﷺ کی دعوت اور آپ ﷺ کے نامِ نامی اسم گرامی کا چرچا عرب و عجم میں پھیل گیا۔ قرآن، اذان، نماز میں آپ ﷺ کی گواہی کائنات کے کونے کونے تک پہنچ گئی۔ یوں آپ ﷺ کی دعوت و ذکر کو مٹانے والے خود بے نام و نشان ہو گئے۔

﴿ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ o ﴾(سورۃ الکوثر،آیت:3)

''یقیناً تیرا دشمن ہی لاوارث اور بے نام ونشان ہوگا۔''

(۷): خیر کثیر: اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خیرِ کثیر (فتوحات، حوض کوثر، رفع ودوام ذکر اور عظیم اخروی نعمتیں) عطا فرمائیں، جن کا تذکرہ اشارتاً یوں کیا گیا:

﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ o ﴾(سورۃ الکوثر،آیت:3)

''یقناً ہم نے تمھیں کوثر عطا کیا۔''

(۸): اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مولد ومسکن اور عمر مبارک کی قسم کھائی جس سے آنحضور ﷺ کی عظمت واضح ہوتی ہے۔ :

﴿لا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ o وَاَنْتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدo﴾(سورۃ البلد،آیت،1 تا2)

''میں اس شہر (مکہ) کی قسم کھاتا ہوں، اور آپ اس شہر میں مقیم ہو''

اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا:

﴿لَعَمْرُکَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَکْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ﴾(سورۃ الحجرات،آیت،72)

''تیری عمر کی قسم وہ لوگ (قوم لوط) تو اپنی بدمستی میں سرگرداں تھے''

(۹): خالق کائنات نے آپ ﷺ کو نماز تہجد کے لئے اُٹھنے کی دعوت نہایت پیارے انداز میں یوں دی:

﴿یٰٓاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ o قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًاo﴾(سورۃ المزمل،آیت،2-1)

''اے کپڑے (چادر) میں لیٹنے والے، رات کے وقت نماز میں کھڑے ہو جاؤ مگر کم''

(۱۰)۔ مقام محمود: پروردگار نے فرمایا:

﴿وَ مِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّکَ عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا o﴾(بنی اسرائیل:79:17)

''(اے نبی!) رات کے کچھ حصے میں تہجد کی نماز میں قرآن کی تلاوت کریں، یہ اضافہ ہے آپکے لئے۔عنقریب آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر کھڑا کرے گا۔''

مقام محمود یعنی سراہا گیا، تعریف کیا گیا، قابل تعریف، قابل ستائش مقام۔ یہ قابل تعریف مقام ہے جس پر بروز قیامت ہمارے پیارے رسول ﷺ کو فائز کیا جائے گا۔جس کے بعد لوگوں کا حساب کتاب شروع ہوگا۔ دنیا میں تو لوگوں کی اکثریت نبی کریم ﷺ کی بات نہیں سنتی تھی، جس پر آپ ﷺ بعض اوقات دلبرادشتہ بھی ہوجاتے تھے۔لیکن پروردگار نے بروز قیامت آپ ﷺ کے اس بلند مقام کا ذکر فرمایا ہے جس دن لوگوں کی زبان پر آپ ﷺ کی تعریف کا ترانہ ہوگا اور اس مقام پر اگلے اور پچھلے سارے لوگ رشک کریں گے۔میدان محشر میں اللہ کے شدید غضب اور کرب کی حالت میں انبیاء علیہم السلام سمیت تمام لوگ نفسانفسی کے عالم میں ہوں گے اور حساب کتاب شروع کروانے کیلئے لوگ ہر نبی کے پاس جائیں گے کہ وہ اللہ سے سفارش کرے۔لیکن ہر نبی معذرت کرلے گا اور اگلے نبی کی طرف بھیج دے گا۔ پھر آخر پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو حضرت محمد ﷺ کی طرف بھیجیں گے تو آپ ﷺ کی سفارش قبول کی جائے گی۔

(۱۱)۔<u>بشارت کا انتہائی پیارا انداز:</u> اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دین و دنیا اور اخروی نعمتوں کے انتہائی شاندار مستقبل کی خوشخبری نہایت منفرد انداز میں یوں دی:

﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى۝﴾ (سورۃ الضحیٰ، آیت،5)

''اور جلد آپ کا رب آپ کو اتنا عطا کرے گا کہ آپ راضی ہوجائیں گے''

فضائل ومناقب احادیثِ مبارکہ سے

(۱): آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں محمد (تعریف کیا گیا) ہوں، میں احمد (اللہ کی بہت زیادہ حمد کرنے والا) ہوں اور میں ماحی (مٹانے والا) ہوں جس کے ذریعے کفر مٹایا جائے گا اور میں حاشر (حشر سے نسبت)

ہوں جس کے بعد دوسرے لوگ قبروں سے اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (آخر میں آنے والا) ہوں اور عاقب وہ ہے جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔'' (مسلم، کتاب الفضائل)

(۲): وَعنْ اَبی ھریرۃؓ قَالَ رَسولُ ﷺ ((انا سید ولد ادم یوم القیامۃ، واول من ینشق عنہ القبر، واول شافع، واول مشفع)). (مسلم، کتاب الفضائل)

ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''روزِ قیامت آدم علیہ السلام کی اولاد کا سردار میں ہوں گا۔ سب سے پہلے مجھے قبر سے اٹھایا جائے گا، سب سے پہلے میں سفارش کرونگا، اور سب سے پہلے میری سفارش قبول کی جائیگی''۔

(۳): حضرت جابر بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں میں نے چاندنی رات میں نبی ﷺ کو دیکھا تو میں باری باری رسول اللہ ﷺ اور چاند کی طرف دیکھنے لگا، آپ ﷺ نے سرخ لباس زیب تن کیا ہوا تھا، اور اس وقت میری نظر میں آپ ﷺ چاند سے بھی زیادہ خوبصورت تھے۔

(جامع ترمذی، کتاب الادب)

(۴): حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں میں نے کسی قسم کے ریشم کو نبی کریم ﷺ کی ہتھیلی سے نرم نہیں پایا اور نہ ہی میں نے کوئی خوشبو سونگھی ہے جو نبی کریم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار ہو۔ (صحیح بخاری، کتاب لمناقب)

(۵): سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جس راہ سے گزر جاتے تو آپ ﷺ کے بعد اس راہ سے گزرنے والا آپ ﷺ کی خوشبو سے یا آپ کے معطر پسینے سے پہچان لیتا کہ آپ ﷺ یہاں سے گزرے ہیں۔ (دارمی المقدمہ)

(۶): سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حسین چیز کوئی نہیں دیکھی، گویا آپ ﷺ کے چہرے مبارک پر سورج جلوہ ریز ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا گویا آپ ﷺ کے لیے زمین لپیٹی جارہی ہے، ہم پوری طرح

سے تیز چلنے کی کوشش کرتے لیکن آپ ﷺ پروا کیے بغیر چلتے رہتے (پھر بھی ہم آپ تک نہیں پہنچ سکتے تھے)۔(جامع ترمذی، کتاب المناقب)

(۷): حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں میں نے دس سال نبی ﷺ کی خدمت کی، لیکن آپ نے مجھے کبھی اُف تک نہ کہا، اور نہ ہی یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور وہ کام کیوں نہیں کیا۔
(بخاری، کتاب الادب)

(۸): حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کبھی ایسے نہیں ہوا کہ رسول اللہ ﷺ سے کسی چیز کا سوال کیا گیا ہو اور آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا ہو۔ (بخاری، کتاب الادب)

(۹): صبر و استقلال اور عفو و درگزر کی عظیم مثال: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا، آپ ﷺ پر موٹے کنارے والی نجرانی چادر تھی، اتنے میں ایک اعرابی آپ کے پاس آیا اور اس نے آپ کی چادر کے ساتھ آپ کو اتنے زور سے کھینچا کہ نبی ﷺ اس اعرابی کے سینے کے قریب پہنچ گئے، میں نے رسول اللہ ﷺ کے کندھے پر دیکھا تو زور سے کھینچنے کی وجہ سے چادر کے کنارے کے نشانات کندھے مبارک پر پڑ چکے تھے، پھر اس نے کہا: محمد ﷺ اللہ کا مال جو آپ ﷺ کے پاس ہے اس میں سے میرے لئے بھی حکم فرمائیے، رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے، پھر اسے کچھ دینے کا حکم فرمایا ''(صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس)

(۱۰): حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت تھی جس کی عقل کچھ کم تھی، اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول ﷺ! مجھے آپ سے کچھ کام ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''ام فلاں! دیکھو! جس گلی میں تم چاہو میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں تاکہ تمہارا کام پورا کرسکوں، آپ ﷺ ایک راستے میں اس کے ساتھ گئے حتیٰ کہ اس کا کام ہوگیا۔ (صحیح مسلم، کتاب الفضائل)

(۱۱): حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں۔ نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بھی

زیادہ شرمیلے تھے، جب آپ کوئی ایسی چیز دیکھتے جو آپ ﷺ کو ناگوار گزرتی تو ہم اسے آپ ﷺ کے چہرے مبارک سے پہچان لیتے تھے۔ (صحیح بخاری، کتاب لادب)

(۱۲): ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھا بیان کرتی ہیں، رسول ﷺ نے اللہ جل جلالہ کی راہ میں جہاد کے علاوہ اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو مارا نہ کسی خادم کو اور نہ ہی کسی عورت کو، اور اگر آپ ﷺ کو کسی کی طرف سے کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ ﷺ اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام نہیں لیتے تھے۔ آپ ﷺ صرف اس صورت میں انتقام لیتے تھے جب اللہ جل جلالہ کی حدود پامال ہوتی ہوں اور وہ انتقام بھی محض اللہ جل جلالہ کی رضا کی خاطر ہی لیتے تھے۔

(مسلم، کتاب الفضائل)

(۱۳): حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ جب آدمی سے مصافحہ فرماتے تھے تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑاتے تھے حتّٰی کہ وہ آدمی خود اپنا ہاتھ چھڑا لیتا تھا۔ آپ ﷺ اپنا چہرہ مبارک (توجہ) اس شخص سے نہیں ہٹاتے تھے حتیٰ کہ وہ شخص خود اپنا چہرہ آپ کے چہرۂ مبارک سے ہٹا لیتا (کسی اور طرف متوجہ کر لیتا) اور آپ ﷺ کو مجلس میں اپنے ہم نشین سے آگے گھٹنے نکال کر بیٹھے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ (ترمذی، کتاب صفۃ القیامہ الرقائق)

نوٹ: نبی کریم ﷺ کے خصائص سے آپ ﷺ کی عظمت وفضیلت پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ وہ منعم حقیقی جس نے آپ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی تخلیق کی اور انہیں شرف وفضیلت اور محاسن سے نوازا اور ساری کائنات بنائی اور بے شمار انعامات سے نوازا..... اسے ہمہ تن یاد رکھنا درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا مبارک اسوہ ہے اور اسی اسوہ میں نجات ہے۔ یعنی ہر تعلق ہر خوبی خالق کی نسبت کے ساتھ ہو۔ اسکے برعکس خالق کو پس پشت ڈال کر ہمہ تن مخلوقات میں گم کر کے خالق کی یاد اور اس سے شدید محبت ووابستگی سے محروم کرنا ابلیس کا ہدف ہے۔

مسئلہ نور و بشر میں محتاط رویّہ

مذکورہ حوالے سے ایک طرف صورت حال یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بالکل اپنے جیسا بشر کہا جاتا ہے یعنی ہمارے بھی دو ہاتھ نبی ﷺ کے بھی دو ہاتھ ..... وغیرہ اور دوسری طرف آپ ﷺ کی بشریت کے اقرار کو بھی بے ادبی تصور کیا جاتا ہے اور بعض لوگوں نے حد سے تجاوز کرتے ہوئے آپ ﷺ کی جنس بشریت کا بھی انکار کر دیا ہے۔ بعض نے کہا اگر نور نہ ہوتے تو اللہ سے لے نہ سکتے اور بشر نہ ہوتے تو امت کو دے نہ سکتے وغیرہ۔ یہ دونوں انتہائیں ہیں، افراط وتفریط سے پاک صحیح مؤقف پیش خدمت ہے۔

فضائل ومناقب، مقام ومرتبہ اور سیرت وعظمت کے اعتبار سے آپ ﷺ بے مثل ہیں، آپ ﷺ امام الانبیاء ہیں، خاتم الانبیاء ہیں۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ اور باقی لوگوں کے مابین زمین وآسمان کا فرق ہے اور آپ ﷺ کے مثل ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ بات کو سمجھنے کیلئے قرآن مجید کی درج ذیل آیت کریمہ پر غور فرمائیں جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کی بابت فرمایا کہ وہ (مقام ومنصب کے اعتبار سے) دیگر عورتوں کی مثل نہیں۔

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ﴾ (سورۃ الاحزاب، آیت:31)

''اے پیغمبر (ﷺ) کی بیویو تم دیگر عورتوں کی طرح نہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ جنس کے اعتبار سے مثلیت تھی لیکن مقام ومنصب، فضیلت کے اعتبار سے مثلیت نہیں۔ اس بات کی مزید وضاحت صحیح بخاری، کتاب المتمنی کی روایت سے بھی بخوبی ہوتی ہے، جسکے مطابق آپ ﷺ کو دیکھا دیکھی صحابہ کرامؓ نے بھی یوم وصال کے روزے رکھنے شروع کر دیئے تو وہ کمزور ہو گئے، آپ ﷺ نے وجہ دریافت فرمائی، معلوم ہونے پر آپ ﷺ نے منع فرما دیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''((ایکم مثلی اِنی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی))'' ''تم میں سے میری مثل کون ہے؟ میں رات بسر کرتا ہوں میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے''

اس ضمن میں ضروری دلائل آپ ﷺ کی شان وعظمت کے بیان میں پیش کر دیئے گئے ہیں جو یقیناً آپ ملاحظہ فرما چکے ہوں گے۔لیکن بحیثیت جنس آپ ﷺ کو انسانوں میں شمار کرنے کو بے ادبی خیال کرنا بھی افسوسناک ہے۔انسان کی فرشتوں پر برتری ہی اس وجہ سے ہے کہ یہ لوازم بشریت کی موجودگی میں خواہش نفس کے خلاف عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے خالق و مالک کی فرمانبرداری کرتا ہے اور آنحضور ﷺ نے دنیاوی مصائب وآلام کی موجودگی میں جس طرح اپنے رَب کی اطاعت کی ہے وہ فرشتوں کے لئے بھی قابل رشک ہے۔یہی چیز بشریت کی معراج ہے جو انبیاء ورسل علیہم السلام کے حصّے میں آئی اور جسکی تکمیل آنحضور ﷺ پر ہوئی۔

<u>نور کی توجیہہ:</u>

آنحضور ﷺ کے لئے نور کا اطلاق دو اعتبار سے کیا جا سکتا ہے۔ایک یہ کہ آپ ﷺ کی ذات گرامی نورِ ہدایت ہے۔تورات، زبور اور قرآن مجید کی ہدایت کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے آیا:

﴿وَ اتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo﴾

(سورۃ الاعراف، آیت:157)

''جنہوں نے اس نور کا اتباع کیا جو اُن کے ساتھ نازل کیا گیا، تو یہی ہیں وہ لوگ جو فلاح پانے والے ہیں''۔

﴿قَدْ جَآءَکُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ کِتٰبٌ مُّبِیْنٌo﴾ (سورۃ المائدہ، آیت:15)

''بلاشبہ تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی۔''

اگرچہ اس آیت کریمہ کے مفہوم کے متعلق مفسرین میں اختلاف ہے۔بعض کی رائے ہے کہ یہاں 'واؤ' مغایرت مصداق نہیں بلکہ مغایرت معنی کیلئے ہے اور یہ عطف تفسیری ہے۔اسلئے یہاں نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن مجید ہی ہے۔بہرکف یہاں نور سے مراد نبی کریم ﷺ لیا جائے تو بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ امام طبری رحمہ اللہ کی بھی یہی رائے ہے۔لیکن قرآن وسنت کے دیگر مستند

دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ ﷺ کے نور ہونے سے مراد نور ہدائت ہے۔

آپ ﷺ نے اپنے نور ہدائت اور نبوت کی بابت فرمایا: عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں تو اس وقت سے اللہ تعالیٰ کے ہاں خاتم النبین لکھا ہوا ہوں، جب آدم (علیہ السلام) ابھی مٹی کی صورت میں پڑے ہوئے تھے اور میں ابھی اپنے معاملے میں تمھیں بتاتا ہوں۔ میں ابراہیم (علیہ السلام) کی دعا، عیسیٰ (علیہ السلام) کی بشارت اور اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انھوں نے اپنی پیدائش کے قریب دیکھا تھا (جس میں) کہ انکے لئے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محلات ان کے سامنے روشن ہو گئے۔''

(مشکوٰۃ، کتاب الفضائل والشمائل، مستدرک للحاکم، 600/2، شرح السنہ کتاب الفضائل)

جس طرح الہامی کتابیں ذریعہ ہدائیت ہیں اِسی طرح آپ ﷺ بھی ہدایت کی طرف رہنمائی فرمانے والے ہیں اور آپ ﷺ پر نور ہدایت کی تکمیل ہوئی۔ یوں آپ ﷺ مینارہ نور ہیں جن کی روشنی سے ساری کائنات جگمگا اُٹھی اِسلیئے آپ ﷺ کے لئے '' سراجا منیرا '' یعنی 'چمکتا ہوا آفتاب' کے الفاظ نازل ہوئے۔ نورانیت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر ایک روح ہے۔ جو شعلہ ملکوتی (Devine Spark) ہے، مگر جوں جوں انسان کا تزکیہ نفس ہو اسکی روح طاقتور ہوتی ہے اور نفس کمزور ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے آپ ﷺ کی روحِ نورانیت آپ ﷺ کی نفس بشریّت پر غالب ہے اور آپ ﷺ کے تقوٰی و پرہیز گاری کا نور، نفسانی و مادی جسم پر چھایا ہوا ہے، اسکے برعکس ہم تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اس اعتبار سے آپ ﷺ نور مجسم ہیں۔ پس آپ ﷺ سید البشر ہیں، خیر البشر ہیں، افضل البشر اور نورِ ہدایت ہیں۔

باقی تخلیق کے اعتبار سے آپ ﷺ کو نوع بشر سے تسلیم نہ کرنا نہ صرف یہ کہ آپ ﷺ کی بے ادبی ہے بلکہ قرآن مجید کے احکامات کا انکار ہے۔ یہ مسئلہ سابقہ اُمتوں سے چلتا آرہا ہے جو قرآن مجید میں جگہ

جگہ بیان ہوا، وہاں چونکہ پیغمبر انسانی صورت میں انکے سامنے تھے، وہ جانتے تھے کہ وہ فلاں کے گھر پیدا ہوئے اُنھیں بشریت پر پورا یقین تھا اسلئے وہ نبوت کا انکار کر دیتے تھے کہ ایک نبی بشر کیسے ہوسکتا ہے؟ اب شیطان نے دوسری طرح الجھا دیا ہے کہ جب نبی تسلیم کرلیا ہے تو بشریت کا انکار کر دیا جا ئے۔ یعنی سابقہ اُمتوں نے بر بنائے بشریت، نبوت کا انکار کیا اور بعض لوگوں نے بر بنائے نبوت ،بشریت کا انکار کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے حال پر رحم فرمائے اور ہم سب کی اصلاح فرما ئے۔ (آمین)

اس ضمن میں اللہ کی بات ملاحظہ کریں اور افراط وتفریط سے بچنے کا راستہ اپنائیں۔

- ﴿فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝﴾

(سورۃ تغابن، آیت۔ 6)

''یہ اسلئے کہ ان کے پاس ان کے رسول معجزے لے کر آئے تو انھوں نے کہہ دیا کہ کیا بشر ہماری رہنمائی کرے گا؟ پس انکار کیا اور منہ پھیر لیا اور اللہ نے بھی بے نیازی کی اور اللہ تو ہے ہی بہت بے نیاز سب خوبیوں والا''

- ﴿وَ مَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ مَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ۝﴾

''اور ہم نے ان (انبیاء وکرام) کے جسم ایسے نہ بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور نہ وہ ہمیشہ رہنے والے تھے'' (سورۃ الانبیاء، آیت۔8)

- کفار ومشرکین نے بھی اللہ تعالیٰ پر یہی اعتراض کیا کہ اس نے بشر کو رسول بنا کر کیوں بھیجا:

﴿ وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۝ ﴾ (سورہ بنی اسرائیل، آیت۔94)

''اور نہیں منع کیا لوگوں کو ایمان لانے سے جب بھی آئی ان کے پاس ہدایت مگر ان کے اسی قول نے کہ کیا بھیجا ہے اللہ نے بشر کو رسول بنا کر؟''

اس پر اللہ تعالیٰ نے جواب دیا:

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۝﴾ (سورہ بنی اسرائیل، آیت۔95)

''(اے نبی ﷺ!) فرما دیجئے اگر زمین میں چل پھر رہے ہوتے اطمینان کے ساتھ فرشتے تو ضرور نازل کرتے آسمان سے ہم ان پر فرشتہ رسول بنا کر۔''

اللہ تعالیٰ نے دوٹوک الفاظ میں مسئلہ حل کر دیا کہ زمین میں فرشتے بستے تو انکا رسول بھی فرشتوں میں سے ہی ہوتا۔ انسان کی رہنمائی کیلئے رسول بھی انسانوں میں سے ہی ہوگا نہ کہ کسی اور مخلوق سے۔ (فاعتبروا یا اولی الابصار)

- ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾

(سورۃ الکھف، آیت۔110)

''فرما دیجئے کہ میں تم جیسا ہی بشر ہوں (ہاں) میری جانب وحی کی جاتی ہے کہ سب کا معبود صرف ایک ہی معبود ہے''۔

اس آیت کریمہ سے بھی آپ ﷺ کا شرف واضح ہے کیونکہ وحی کا آنا بہت بڑی فضیلت کا باعث ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ ﷺ نوع بشر سے ہیں اور مثلیت تخلیق کے اعتبار سے بیان ہوئی ہے۔

- ﴿لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝﴾ (سورۃ التوبہ، آیت، 128)

''تحقیق تمھارے پاس ایک پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمھاری جنس سے ہیں جن پر تمھارے نقصان کی بات نہایت گراں گزرتی ہے، جو تمھارے فائدے کے بڑے خواہش مند رہتے ہیں، ایمان والوں کے ساتھ بڑے شفیق اور مہربان ہیں''

- ﴿بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَ هُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَیْءٌ عَجِیْبٌ﴾

''بلکہ انہیں تعجب ہوا کہ ان کے پاس انہیں میں سے ایک ڈرانے والا آیا تو کافروں نے کہا کہ یہ تو عجیب بات ہے''

محترم بھائیو! قرآن مجید کی محکم آیات کے خلاف ضعیف وموضوع روایات کی بنیاد پر قرآن وسنت کے واضح احکامات سے پہلوتہی کرنا کیا درست طرز عمل ہے؟ جبکہ خود آنحضور ﷺ نے اپنی امت کو اسلام میں من گھڑت احادیث داخل ہونے کے متعلق پیشگی خبر دی اور بچنے کا سختی سے حکم دیا۔ جو بات جیسے بیان ہوئی ہے اسے ویسے ہی تسلیم کرنے میں عافیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہماری اصلاح فرمائے اور ہم سب کو سچی تعلیمات کی بنیاد پر ایک ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

۞۞۞۞۞

باب ٦

رسالت کی راہ میں حائل رکاوٹیں

جیسا کہ آپ پر واضح ہو چکا کہ رسالت وہ روشنی مہیا کرتی ہے جو دنیا پرستی، شرک سمیت دین کے تمام پہلوؤں پر خالص رہنمائی مہیا کرتی ہے جو کہ ابلیس کو کسی صورت گوارہ نہیں۔ وہ رسالت کے حقیقی تصور سے دور کرنے کیلئے درج ذیل بنیادی ہتھکنڈے استعمال کرتا ہے۔

(1)۔شخصیت پرستی، (2)۔ضعیف وموضوع روایات، (3)۔سنت کی بجائے بدعات کا فروغ

ان پر ضروری وضاحت پیش خدمت ہے:

(1): شخصیت پرستی (سب سے بڑی رکاوٹ)

ہر ہر بات میں، رسول ﷺ کی تعلیمات (یعنی قرآن وسنت) کو مشعل راہ بنانا ہدایت ونجات کی راہ جبکہ رسولوں (علیہم السلام) کی تعلیمات سے بے نیاز ہوکر دین میں دیگر لوگوں کی اندھا دھند (بغیر دلیل اور بغیر سوچے سمجھے) پیروی خسارے کی راہ ہے۔ کیونکہ حقیقت میں یہ انبیاء علیہم السلام کی ناقدری ہے۔شیطان کی کامیابی رسولوں سے ہٹا کر اندھا دھند لوگوں کی پیروی کروانے میں ہے۔اس ضمن میں بھی اکثریت شیطان کی ہی پیروی کرے گی، بہت کم خوش نصیب ہوں گے جو پختگی سے رسول ﷺ کے اسوہ کو مظبوطی سے تھامیں گے۔

رسالت کے ضمن میں جتنے بھی تقاضے ہیں: (۱)۔تمام مخلوقات حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ نبی کریم ﷺ سے محبت ہونا، (۲)۔دل وجان سے آپ ﷺ کا ادب، احترام، عزت وتوقیر کو ملحوظ رکھنا، (۳)۔محبت کے ساتھ آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا..... یہ سب اسلئے ہیں کہ خوش دلی

سے آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع کی جائے۔ اپنی سوچ، خواہش نفس، مسالک، گروہ، فرقے، شخصیات، امام، پیر حضرات..... سب کو آپ ﷺ کے تابع کر دیا جائے جو کہ نہیں ہیں (الا ماشاء اللہ)۔ جس طرح ابلیس کو قرآن کی رسمی تلاوت، اسے چومنے سے کوئی بڑا مسئلہ نہیں، بلکہ ابلیس کو اصل تکلیف قرآن کو سمجھنے، اسے ماننے اور اس پر عمل پیرا ہونے پر ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے اسم گرامی کو چومنے، آپ ﷺ کے نام پر آنسو بہانے سے ابلیس کو زیادہ مسئلہ نہیں بلکہ اسے بڑی تکلیف آپ ﷺ کی تعلیمات کو تسلیم کرنے پر ہے۔ تاہم قانون کے دائرے میں تعظیم و توقیر اور ادب و احترام بھی انتہائی ضروری ہے، جسے ہر صورت ملحوظ رکھنا ہے۔

بنیادی طور پر رسالت کی راہ میں حائل سب سے بڑی رکاوٹ شخصیت پرستی ہی ہے اور یہی دیگر تمام رکاوٹوں کی بنیاد ہے۔ اسی بنا پر ظالم شیطان نے تمام نسل انسانی کو قابو کیا۔ اسکے مثبت اور منفی دونوں پہلو سمجھنا ضروری ہے۔

<u>مثبت پہلو:</u> دین اسلام جہاں عام لوگوں سے حسن سلوک کا درس دیتا ہے، وہاں مخلص اہل علم و تقویٰ بزرگان دین و اولیاء اللہ سے عقیدت و محبت، ادب و احترام اور حسن سلوک کا تقاضا کرتا ہے۔ ان سے عداوت و نفرت رکھنا سخت ناپسندیدہ اور نقصان کا باعث ہے۔ ان سے استفادہ اور رہنمائی کی ممانعت نہیں۔ اسلام صرف اس بات کا متقاضی ہے کہ ہر قسم کی رہنمائی کو اللہ و رسول ﷺ کی تعلیمات کے تابع کیا جائے۔ دین کا معیار دیگر لوگوں کی بجائے اللہ و رسول ﷺ ہوں اور انہیں کی تعلیمات کے تناظر میں دیگر تمام لوگوں سے رہنمائی لی جائے۔ جسکا لازمی تقاضا یہ ہے کہ سب سے پہلے قرآن و سنت سے آشنا ہوا جائے جسکے متعلق بروز قیامت ہمارا محاسبہ ہوگا۔

<u>منفی پہلو:</u> بلا دلیل بزرگان دین کی ہر بات کو عین دین سمجھنا اور انکی بات کو اللہ و رسول ﷺ کی بات پر پرکھنے کو بزرگان دین کی بے ادبی و گستاخی قرار دینا۔ ایسا طرز عمل اللہ تعالیٰ نے بزرگان دین کی پوجا قرار دیا ہے۔ ایسے طرز عمل یا محبت کا حقدار خدا پھر اسکے بعد اسکا رسول ﷺ ہے، جبکہ باقی سب لوگوں کی محبت خدا اور رسول ﷺ کے تابع ہونی چاہئے، جیسا کہ متنبہہ کیا گیا:

﴿وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ﴾ (سورۃ البقرہ:165:2)

'' اور لوگوں میں سے بعض اَیسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ اور ہستیوں کو اللہ کے مدمقابل ٹھہرا کر اُن سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرنی چاہیے اور جو ایمان والے ہیں وہ اللہ سے شدید ترین محبت رکھتے ہیں۔''

ظالم شیطان کے اس پھندے کا شکار ہونے کی درج ذیل وجوہات ہیں:

(1) دوران پرورش ملنے والے ماحول سے جس گروہ یا اکابرین و بزرگ حضرات کی آواز سنائی دیتی ہے انکے کرشموں کی وجہ سے عظمت و بزرگی قلب و ذہن پر نقش ہو جاتی ہے۔

(2) وہ انہیں خدا کا ولی اور اسکی طرف سے نامزد غلطیوں اور خطاؤں سے پاک تصور کرتا ہے اور انکی طرف سے غلطی کے امکان کو گستاخی و بے ادبی سمجھتا ہے۔

(3) رفتہ رفتہ انکی محبت میں اسطرح گرفتار ہو جاتا ہے کہ انہیں دین کا معیار بنا لیتا ہے۔ انکی تعلیمات کو قرآن وسنت کا متبادل متصور کرتے ہوئے قرآن وسنت سے رہنمائی اور انکے افکار و نظریات سے متصادم کوئی بات سننا اور تسلیم کرنا گوارہ نہیں کرتا، خواہ وہ بات اللہ و رسول ﷺ کی ہی کیوں نہ ہو۔

ایسا کرنا درحقیقت انہیں عین خدا اور رسول ﷺ کے درجے پر فائز کرنا اور انکی عبادت کرنا ہے۔

اس پھندے سے آزادی کیلئے:

(۱)۔ قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی ہونا۔

(۲)۔ بزرگان دین کی طرف سے سرزد خطاؤں سے واقفیت ہونا۔ تاکہ انہیں نبی کے درجے پر فائز کرنے کے عظیم گناہ سے بچا جا سکے۔

اس پھندے میں شکار لوگ شاذ و نادر ہی قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی کی بنا پر تائب ہوتے

ہیں۔اس فریب میں شکار ہونے والوں پر نہ تو قرآن کی آیات اثر کرتی ہیں نہ فرامین رسول ﷺ۔اس جال میں شکار بدنصیبوں کی رہائی کا امکان صرف یہی ہے، کہ انہیں اپنے پسندیدہ گروہ یا اکابرین کی طرف سے سرزد خطاؤں سے بھی واقفیت ہو جائے تا کہ وہ جان جائیں کہ صرف خدا و رسول ﷺ کی تعلیمات ہی خطا سے پاک ہیں۔

ابلیس نے لوگوں کو رسالت سے ہٹا کر آبا پرستی کے شکنجے میں جکڑنے کیلئے درج ذیل مضبوط عقلی نکات اٹھائے ہیں:

(۱)۔کسی بھی شعبہ کی رہنمائی کیلئے اس شعبہ کے ماہر کے پاس جانا ضروری ہوتا ہے جیسے: دوائی کیلئے ڈاکٹر کے پاس، نفسیات کیلئے ماہر نفسیات..... اسی طرح دین کیلئے دین کے ماہرین ائمہ مجتہدین کی تقلید کے بغیر گزارہ نہیں۔خود دین سیکھنے کا نتیجہ گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔

(۲)۔ہمارے مسلک کے اتنے بڑے بڑے جید اور بلند مرتبہ بزرگ علماء و اولیاء حضرات نے کیا قرآن وسنت نہ پڑھا تھا.....؟ کون سی بات ہے جو ان سے چھپی رہ گئی ہو؟ کیا تم ان سے بڑے عالم ہو.....؟ کیا تم نے ان سے زیادہ قرآن پڑھا ہے.....؟ وغیرہ وغیرہ۔

(۳)۔''جب ہمارے اکابرین بزرگ حضرات کی بات میں شک وشبہ اور غلطی کا امکان ہی موجود نہیں تو خواہ مخواہ قرآن وسنت پر پرکھ کر ان میں عیب کیوں تلاش کئے جائیں....؟ ایسا کرنا اولیاء و علماء کی شان میں تنقیص کرنا شمار ہوگا جو کہ بدبختی کی علامت ہے.....وغیرہ وغیرہ۔''

ظاہر ہے شیطان کے اس فریب میں بڑا وزن ہے، عام انسان کیلئے اس تسلی پر قرآن وسنت سے منہ مورنا نہایت آسان ہو جاتا ہے۔

ازالہ: اس فریب سے نجات کیلئے انتہائی اختصار کے ساتھ پہلے عقلی بنیاد پر چند ضروری باتیں پیش خدمت ہیں، اسکے بعد دلائل سے فریب کو واضح کیا جائے گا۔

(۱)۔ یہ دلیل صرف کسی ایک گروہ کے پسندیدہ مسلک و اکابرین کیلئے ہی نہیں بلکہ سب کیلئے قابل قبول ہونی چاہئے۔جسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ سب مسالک: بریلوی، دیوبندی، اہلحدیث،

شیعہ..... حق پر ثابت ہو جائیں گے۔تو کیا اب الگ الگ مساجد و مسالک کا جواز باقی رہ جائے گا.....؟

(۲)۔ اللہ و رسول ﷺ نے راہ ہدایت کا معیار بعد کے لوگوں کی بجائے: 'قرآن'، 'سنت (جو صرف صحیح احادیث سے ماخوذ ہو)' اور 'صحابہ کرام رضی اللہ عنہم' کے اجماعی راستے کو بتلایا ہے۔کیا اس معیار سے اعراض کرتے ہوئے کوئی اور معیار بنانا اللہ و رسول ﷺ کی ناقدری، نافرمانی اور گستاخی نہیں ہوگی.....؟

(۳)۔ اگر ہمارے بزرگوں نے قرآن وسنت کو معیار بنایا ہے (جو کہ اچھی بات ہے) تو ہمیں بھی بزرگوں کی بجائے قرآن وسنت کو ہی معیار بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ہم سب کا قرآن وسنت کی بابت محاسبہ ہوگا نہ کہ بزرگوں کو معیار یا عدم معیار بنانے پر۔

(۴)۔ دین سیکھنے کیلئے استاد کے پاس جانا ضروری ہے، لیکن اللہ کا حکم یہ ہے کہ دین میں معیار اور نمونہ کوئی ڈاکٹر، امام نہیں بلکہ رسول ہوں گے۔ ہر ایک کی بات قرآن وسنت کی شرط پر مانی جائے گی۔جسکے لئے قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہی ضروری ہے۔

(۵)۔ اگر کوئی ڈاکٹر کے پاس جائے اور اسکی آنکھ میں مسئلہ ہو اور ڈاکٹر کہے کہ تمھیں بچانے کیلئے تمھاری ٹانگ کاٹنی پڑے گی تو کیا آپ اس بنا پر کہ ماہر کا فیصلہ ہے کٹوالیں گے؟ ظاہر ہے آپ اسے آڑے ہاتھوں لیں گے کیونکہ اس میں دنیا کا نقصان ہے۔افسوس کہ دین جس سے ہماری ہمیشہ کی زندگی بچنی ہے اسکی بابت ہم ابلیس کے ہاتھ چڑھ کر اندھا دھند ماہرین کی پیروی پر اکساتے ہیں۔

(۶)۔ دو قسم کے احکام ہیں، ایک وہ احکام جن پر واضح نص (آیات واحادیث) موجود ہیں، ان میں تقلید نہیں کی جائے گی۔ ہاں بات کو سمجھنے کیلئے اہل علم سے استفادہ ضرور کریں۔لیکن یہاں بھی اندھا دھند تقلید ہی کی جارہی ہے۔ دوسرے وہ احکام ہیں جو جدید مسائل پر مبنی ہیں، جن پر واضح نص موجود نہیں۔ان میں اجتہاد ہوگا، جس کے لئے کسی مجتہد کی رائے سے استفادہ

کرنا پڑتا ہے۔لیکن اندھی و جامد تقلید کی یہاں بھی گنجائش نہیں۔

شخصیت پرستی اور قرآن وسنت: عقلی وضاحت کے بعد اب ہم اس ضمن میں دیکھتے ہیں کہ قرآن وسنت ہمیں کس راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔رسالت سے ہٹنے سے انسان گمراہی کا شکار ہو کر شیطان کا لقمہ بن جاتا ہے اسلئے قرآن حکیم میں غیر نبی کی پیروی سے بچا کر اللہ اور اسکے رسول کی پیروی کو اختیار کرنے پر بہت کثرت سے (اطیعو اللہ و اطیعو الرسول) یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر ہے کہ کہیں انسان شیطان کے دھوکے میں نہ آجائے۔اس ضمن میں آیات اس کثرت سے ہیں کہ غیر نبی کی تقلید کا گمان بھی نہ ہو پائے لیکن اسکے باوجود بھی انسان دھوکے کا شکار ہو چکا ہے اور یہ آیات ہمارے سر سے گزر جاتی ہیں اور ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے:

☆ ((اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَo))(سورۃ الاعراف۔آیت:3)

''تم پیروی کرو اس کی جو تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اور نہ پیروی کرو اس کے علاوہ دوسرے دوستوں کی،تم لوگ بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔''

☆ ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾

(سورہ آل عمران۔آیت:32-31)

''(اَے نبی) فرما دیجیے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تو بہت بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے''۔فرما دیجیے اللہ ورسول کی اطاعت کرو اور اگر تم (اطاعت سے) منہ پھیر لو تو یقیناً اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

مزید تفصیل کیلئے دیکھیے،باب۔۳۔

انتہائی سخت تنبیجات: شخصیت پرستی اور آبا پرستی کے جادو سے بچانے کیلئے انتہائی سخت تنبیجات بھی کر

دی گئیں:

☆ ''جب فرمانبرداری کرنے والے لوگ اپنے فرمانبرداروں سے بیزار رہوں گے، عذاب سامنے دکھائی دے رہا ہوگا اور آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔فرمانبردار کہیں گے کہ ہائے افسوس؛ اگر ایک بار ہمیں دنیا میں جانے دیا جائے تو ہم بھی ان لوگوں سے یوں ہی بیزار ہوں گے جس طرح یہ آج ہم سے بیزار ہیں۔اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کرتوت دکھائے گا اور ان کے دلوں میں حسرت رہے گی اور وہ آگ سے کسی طور پر نکل نہ سکیں گے۔''

(سورہ البقرہ:167-166)

☆ کوئی بھی ایسی سنگت جو توحید، رسالت سے دور کرنے سمیت دیگر گناہوں کا باعث بنی ہوگی، اسکے بارے میں انسان کہے گا:

﴿يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُوْلُوْنَ يٰلَيْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَاo وَ قَالُوْا رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ كُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا o رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَ الْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًاo﴾۔(سورۃ الاحزاب:66)

''جب لوگوں کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے، اس وقت وہ کہیں گے ہائے کاش ہم نے پیروی کی ہوتی اللہ کی اور رسول کی۔اور وہ کہیں گے کہ ہم نے تو پیروی اختیار کی اپنے سرداروں کی اور اپنے بزرگوں کی تو انہوں نے ہمیں راستے سے پھسلا دیا۔اے ہمارے رب انہیں دگنا عذاب دے اور ان پر سب سے بڑی لعنت کر۔''

☆ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ o﴾(سورہ حم السجدہ:29:41)

''اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا تھا اے ہمارے رب دکھا ہمیں وہ لوگ جن و انس میں سے جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا، انہیں ہم اپنے پاؤں تلے روند ڈالیں تاکہ وہ ہو جائیں جہنم میں سب سے نچلے درجے میں۔''

☆ ﴿ وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِى اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا o يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِىْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا o ﴾ (سورۃ الفرقان:25:27-30)

''اور جس دن ظالم شخص اپنے ہاتھ کاٹ کر کھائے گا، اور وہ کہے گا ہائے کاش میں نے پکڑا ہوتا راستہ رسول کے ساتھ۔ ہائے کاش میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔''

یعنی دنیا میں کوئی بھی شخصیت جو کفر، شرک، توحید سے دوری، رسالت کی بجائے اندھی و جامد تقلید، سنت کی بجائے بدعات سمیت دیگر گناہوں کا باعث بنی ہوگی تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ اگر بچنا چاہتے ہیں تو سب کو اللہ و رسول ﷺ کے نیچے کر لیں (جو کہ الا ماشاء اللہ ہم نے نہیں کیا ہوا)۔

پس! حق بات کی تصدیق کیلئے رسولوں (علیہم السلام) کی تعلیمات یعنی قرآن وسنت کو رہنما بنانا ہدایت وخوش نصیبی کی راہ، جبکہ قرآن وسنت کو پس پشت ڈال کر لوگوں کی اندھا دھند تقلید کرنا گمراہی کی راہ ہے۔ لیکن اس پھندے میں شکار لوگوں پر قرآن وسنت کے دلائل الا ماشاء اللہ کہاں اثر کرتے ہیں۔ انکے چھٹکارے کا اگر کوئی حل ہوسکتا ہے تو وہ یہی ہے کہ انہیں غیر نبی اکابرین کی طرف سے سرزد خطاؤں سے واقفیت ہو جائے تا کہ انہیں یقین ہو جائے کہ وہ اکابرین نبی نہیں ہیں، ان سے بھی خطا واقع ہوسکتی ہے۔ اس ضمن میں الا ماشاء اللہ اکثر مکاتب فکر کے اکابرین سے خطائیں واقع ہوئی ہیں۔ بہت سے علماء کی طرف نازیبا عبارات منسوب ہیں، جن میں سے کئی عبارات تو زیر تحریر لانے کی بھی ہمت نہیں پڑتی۔ بہر کیف بطور نمونہ اکا دکا عبارت ملاحظہ کریں:

نوٹ: ہمارے لئے وہ سب علماء و بزرگان دین جنہوں نے دین کیلئے خدمات سرانجام دیں قابل احترام ہیں۔ یہاں چند باتیں پیش کرنے کا مقصد صرف یہ واضح کرنا ہے کہ: غیر نبی بڑے سے بڑے بزرگ سے بھی خطا واقع ہوسکتی ہے۔ لہٰذا انہیں رسول کے درجے پر فائز کرتے ہوئے، ان کی ہر بات کو سو فیصد درست تسلیم کرنا بہت بڑی غلطی ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ کسی کی اکا دکا ایسی عبارات کی وجہ سے نہ تو انہیں صفر کرنا چاہئے اور نہ ہی لوگوں کو معصوم عن الخطا بنا کر نبی اور فرشتوں کی صف میں کھڑا کرنا چاہئے۔

(۱)۔ <u>سورج کا سائز:</u>

عظیم مذہبی سکالے امام غزالیؒ نے بیان کیا کہ: سورج زمین سے ۱۶۰ گنا بڑا ہے۔ جبکہ آج

سائنس کے علم سے بات سامنے آ گئی ہے کہ سورج زمین سے لاکھوں گنا' بڑا ہے۔

(کیمیائے سعادت)

(۲)۔آپ ﷺ کی تاریخ ولادت: اس میں کسی کو بھی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ربیع الاول میں ہوئی۔جبکہ شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ دس محرم کو پیدا ہوئے۔جس یہ بات واضح ہوتی ہے کہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

(غنیۃ الطالبین، عاشورہ کا بیان،ص:535،مترجم غلام محمد صدیق ہزاروی سعیدی صاحب،۱۹۸۸)

(۳)۔پیشاب سے سورہ فاتحہ: علامہ ابن عابدین شامی حنفی صاحبؒ نے ایک نہایت افسوس ناک بات لکھی ہے، لکھتے ہیں:

((وکذا اختاره صاحب الهدایه فی التجنیس فقال لو رهف فکتب الفاتحة بالدم علی جبهته و انفه جاز للاستشفاء و بالبول ایضاً ان علم فیه شفاءً لکن لم ینقل وهذا لان الحرمة ساقطة عند الستشفاء کحل الخمر و المیتة للعطشان والجائع اه من البحر))

(ردالمحتار علی الدر المختار جلد5،صفحہ:379،مطبوعہ مکتبہ عثمانیہ استنبول،۱۲۷۲ھ)

ترجمہ: ''ناپاک چیز سے علاج کرنا جائز ہے،صاحب ہدایہ نے تجنیس میں یہی اختیار کیا ہے، انہوں نے کہا اگر کسی آدمی کی نکسیر پھوٹ گئی اور اس نے خون کے ساتھ اپنی ناک اور پیشانی پر سورہ فاتحہ کو لکھ دیا تو یہ طلب شفاء کے لئے جائز ہے اور اگر یہ یقین ہو کہ پیشاب کے ساتھ لکھنے سے شفاء ہوگی تو پیشاب کے ساتھ لکھنا بھی جائز ہے،لیکن یہ منقول نہیں ہے،اسکی وجہ یہ ہے کہ طلب شفاء کی وجہ سے حرمت ساقط ہو جاتی ہے،جیسے بھوکے اور پیاسے کیلئے خنزیر کھانا اور شراب پینا حرام نہیں۔'' (نعوذ باللہ)

(۴)۔علم غیب زید وعمر: ''اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں تو اُس میں حضور اکرم ﷺ کی کیا تخصیص ہے، اَیسا علم غیب زید و عمر بلکہ ہر صبی (بچہ) و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے۔'' (نعوذ باللہ) (مولانا اشرف علی تھانوی صاحبؒ ''حفظ الایمان'' صفحہ 13)

(۵)۔چمار سے موازنہ: '' اور یقین جان لینا چاہیے کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی شان کے

آگے چمار سے بھی ذلیل ہے۔'' (نعوذ باللہ)

(مولانا شاہ اسماعیل دہلوی شہید صاحبؒ ''تقویۃ الایمان'' صفحہ 48 اور 35)

(۶)۔ ہوا کا انکار: ''جب مجمع ہوا کفار کا مدینہ پر کہ اسلام کا قلع قمع کر دیں یہ غزوہ احزاب کا واقعہ ہے۔ رَب ﷻ نے مدد فرمانا چاہی اپنے حبیب ﷺ کی، شمالی ہوا کو حکم ہوا جا اور کافروں کو نیست و نابود کر دے، ہوا نے کہا : ''بیبیاں رات کو باہر نہیں نکلتیں۔ تو اللہ ﷻ نے اُس (ہوا) کو بانجھ کر دیا۔ اِسی وجہ سے شمالی ہوا سے کبھی پانی نہیں برستا۔ پھر صبا سے فرمایا تو اُس نے عرض کیا ہم نے سنا اور اطاعت کی وہ گئی اور کفار کو برباد کرنا شروع کیا۔'' (مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ 'ملفوظات حصہ چہارم'' صفحہ: 377)

(۷)۔ آنحضور ﷺ حالت سکر میں: ''حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک نظر جب وہاں پڑی جہاں نہ پڑنی چاہئے تھی یعنی اوریا کی بیوی پر، تو آپکو حق تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کا سامنا کرنا پڑا..... ہمارے پیغمبر ﷺ کی ایک اسی طرح کی نگاہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیوی پر پڑی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ پر انکی بیوی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) حرام ہوگئی اسلئے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی نظر حالت صحو (یعنی حالت ہوش) میں تھی اور ہمارے پیغمبر ﷺ کی نظر حالت سکر (یعنی مدہوشی کی حالت) میں تھی۔'' (نعوذ باللہ)

(کشف المحجوب، باب 14 سکر اور صحو کا بیان، مترجم مولانا عبدالروف فاروقی، صفحہ: 291، مولانا فضل الدین گوہر، صفحہ: 267)

افسوس تو اس بات کا ہے کہ اپنے اپنے اکابرین کی محبت میں کوئی تاویلوں کے سہارے اور کوئی شطیحات کی بنیاد پر ایسی نازیبا عبارات کا دفاع کرتا دکھائی دیتا ہے۔ لہذا ایسی عبارات سے مکمل برأت کا اظہار کیا جائے اور انکے دفاع سے ہر ممکن بچا جائے۔ ورنہ شائد ایمان بھی جاتا رہے اور خدا کی پکڑ کے بھی مستحق ہو جائیں۔ اس ضمن میں بریلوی مکتب فکر کے جید سکالر علامہ غلام رسول سعیدی صاحب کی رائے 'پیشاب سے سورہ فاتحہ پر' بطور عبرت پیش خدمت ہے۔ اس قسم کی عبارات کے متعلق آپ نے کئی جگہ جرئت کا مظاہرہ فرمایا ہے، آپ فرماتے ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ لکھنے والے کا ایمان خطرہ میں ہے، اگر کسی آدمی کو روز روشن سے زیادہ یقین ہو کہ اسکو اس عمل سے شفاء ہو جائے گی تب اس کا مر جانا اس سے بہتر ہے کہ وہ خون یا پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ لکھنے کی جرئت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان فقہا کو معاف کرے بال کی کھال نکالنے اور جزئیات مستنبط کرنے کی عادت کی وجہ سے ان سے یہ

قول شنیع سرزد ہو گیا، ورنہ ان کے دلوں میں قرآن مجید کی عزت اور حرمت بہت زیادہ تھی۔''

(علامہ غلام رسول سعیدی صاحب، شرح صحیح مسلم، جلد 6، صفحہ: 557، کتاب السلام)

صوفیاء کرام کے زُہد میں تو شک نہیں لیکن اکثریت کی بنیاد پختہ دلائل کی بجائے بہت کمزور دلائل پر ہے، جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے بھی امت کی اصلاح کی خاطر اسی بات کی یوں نشاندہی کی: آپؒ نے حدیث رسول ﷺ کے چار طبقات بیان کئے، جن میں پہلہ اور دوسرا طبقہ صحیح احادیث جبکہ تیسرا اور چوتھا طبقہ صحیح اور ضعیف پر مشتمل ہے۔ اسکے بعد فرمایا، وہ احادیث جو:

''صوفیاء اور مورخین کی زبان پر جاری رہتی ہیں یا ان کے قلم سے نکلتی ہیں وہ ان چاروں طبقاتِ حدیث میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں۔ من جملہ اس کے وہ روایات ہیں جو ملحد اور بے باک لوگوں نے حدیث کے نام پر رکھ کر مروج کی ہیں اور انکے لئے اسناد گھڑنے میں یہ کمال ہے، کہ کوئی ان پر جرح بھی تو نہیں کرسکتا اور عبارات اس قدر فصیح و بلیغ کہ بادی النظر میں یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ سچ مچ آنحضرت ﷺ کی ہی حدیث ہے۔ اس قسم کی نام نہاد حدیثیں مسلمانوں کے حق میں بڑا فتنہ اور ایک عظیم مصیبت ہیں۔''

(حجۃ اللہ البالغہ، مترجم، ص۔ ۴۵۴، جلد۔ ۱)

پس پیروی کے اعتبار سے صوفیاء کرام کی بجائے فقہاء اور محدثین کرام کا اجماعی راستہ قرآن وسنت کے زیادہ قریب ہے۔ البتہ صوفیاء کرام کی ہر ممکن عزت وتکریم، تعاون، ادب واحترام ہونا چاہئے۔ باقی انکی صحبت اختیار کرتے ہوئے اللہ ورسول ﷺ کی تعلیمات کو ہر ممکن ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ یہی تقاضا ہے محبت رسول ﷺ کا اور اسی کا نام اولیاء کی خیر خواہی ہے۔

اس ضمن میں ایک اور غلطی یہ ہے کہ لوگ صوفیاء کرام کے ارشادات کو قرآن وسنت سے بڑھ کر درجہ دیتے ہیں۔ اللہ ورسول ﷺ کی بات وہ اہمیت نہیں رکھتی جو صوفیاء کرام کی ہے۔ حالانکہ اللہ ورسول ﷺ پہلے جبکہ صوفیاء کرام بعد میں ہونے چائیں۔ لیکن صورت حال اسکے برعکس ہے جو کہ تباہی ہے۔ جو شیطانی فریب کی بنا پر پیدا ہوئی ہے، اسی تباہی کی نشاندہی شاہ صاحبؒ نے بھی فرمائی:

''ان (صوفیاء) حضرات کے اقوال واحوال لوگوں کے دلوں پر کتاب وسنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ ان کے رموز واشارات اس قدر دخل پا گئے ہیں کہ جو شخص ان رموز و

اشارات کا انکار کرے یا ان سے خالی ہو یعنی انکا موقعہ بے موقع ذکر نہ کرے وہ نہ تو مقبول ہوتا ہے اور نہ ہی صالحین میں شمار ہوتا ہے۔'' (حجۃ اللہ البالغہ، مترجم، ص۔۴۷، جلد۔۱)

ہم مکار ابلیس کے مذکورہ فریب سے نجات حاصل کر سکتے ہیں اگر ہم دل سے یہ بات تسلیم کر لیں کہ ''بزرگان دین'' نبی نہیں ہیں کہ انکی ہر بات 100% درست ہو'' یوں نبی اور غیر نبی کا فرق بھی قائم رہے گا، بزرگان دین سے عقیدت و محبت بھی برقرار رہے گی۔ اللہ و رسول ﷺ کی حقیقی پیروی کا شوق و جذبہ بھی پیدا ہوگا۔ لہذا زندگی کی مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جلد از جلد اپنے کو تعلیمات وحی کے تابع کر لیں۔ اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہو سکا تو وہ جنکی خاطر تعلیمات وحی کو نظر انداز کیا گیا تھا بروز قیامت ان میں سے کوئی کسی کے کام نہ آئے گا جیسا کہ 'سورہ البقرہ: '166-167' میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''جب فرمانبرداری کرنے والے لوگ اپنے فرمانبرداروں سے بیزار ہوں گے، عذاب سامنے دکھائی دے رہا ہوگا اور آپس کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے۔ فرمانبردار کہیں گے کہ ہائے افسوس؛ اگر ایک بار ہمیں دنیا میں جانے دیا جائے تو ہم بھی ان لوگوں سے یوں ہی بیزار ہوں گے جس طرح یہ آج ہم سے بیزار ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کو ان کے کرتوت دکھائے گا اور ان کے دلوں میں حسرت رہے گی اور وہ آگ سے کسی طور پر نکل نہ سکیں گے۔''

اس فریب سے نجات کیلئے اہلسنت بریلوی مسلک کے جید محقق علامہ غلام رسول سعیدی صاحب نے بڑی حقیقت پسندانہ بات کی ہے:

''ہمیں یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ تمام آئمہ شریعت اور علماء طریقت اور مرجع انام اساتذہ اور علماء اپنے تمام اعزاز و اکرام کے باوجود بندے اور بشر ہیں نبی نہیں ہیں اور نہ معصوم ہیں، ان کی رائے میں خطا واقع ہو سکتی ہے اور کوئی غیر نبی انسان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا عالم اور فقیہ اور عابد و زاہد کیوں نہ ہو اور کیسا ہی مشہور عاشق رسول کیوں نہ ہو۔ کسی عالم یا فقیہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اسکی تحریر معصوم ہے اور اس میں خطا واقع نہیں ہو سکتی، شرک فی الرسالت کے مترادف ہے اور اس شخص کو امتی کے مقام سے اٹھا کر نبی کے مقام پر کھڑا کرنے کے قائم مقام ہے، العیاذ باللہ۔

'' (شرح صحیح مسلم، جلد۔۱، صفحہ۔37، فرید بک سٹال، ۲۰۰۷)

یہ بنیادی عقیدہ ہے جس پر نجات موقوف ہے۔ اگر بات سمجھ آجائے تو بات بڑی آسان ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کی بات کو سب پر مقدم رکھنا چاہیے، لیکن جب انسان اس بات کو تسلیم نہیں کرنا چاہتا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے شیطان کے سپرد کر دیتا ہے، اور اسے یہ بات سمجھ ہی نہیں آنے دیتا۔ یہی وہ بنیادی رکاوٹ ہے جس کا شکار سابقہ اقوام کے لوگ ہوئے، جسکو طرح طرح سے قرآن مجید میں بیان کیا گیا۔ اہل تشیع حضرات کے نامور محقق جناب ثاقب اکبر صاحب نے امت اسلامیہ کو شخصیت پرستی کے بھنور سے نکالنے کی خاطر اپنی کتاب میں اس مرض کی بابت ارشاد فرمایا:

''شخصیت پرستی بہت خطرناک مرض ہے۔'' مزید فرمایا:

''مختلف ادیان کے ماننے والے بعض شخصیات سے چمٹ کر رہ گئے ہیں۔''

''کبھی ایک شخصیت کسی ایک شعبے میں بہت عظیم الشان کارنامہ انجام دیتی ہے، لیکن اسکے ماننے والے اسکی عظمت کے سامنے یوں سر جھکا دیتے ہیں، گویا وہ انسان زندگی کے تمام شعبوں میں آسمان سے حجت بن کر آیا ہے۔''

اسی ضمن میں ثاقب اکبر صاحب نے سیدنا علی علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ہے، جو ابلیس کے اس طاقتور حجاب کو تار تار کرنے کیلئے کافی ہے، آپ نے فرمایا:

''حق کو افراد کی مدد سے نہیں بلکہ افراد کو حق کی مدد سے پہچانو۔''

(امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی، ص: ۲۴ تا ۲۶، طباعت اول، مارچ ۲۰۱۱)

لیکن افسوس کہ اس وقت امت مسلمہ کی اکثریت کو اُلٹا گئیر لگ چکا ہے، اور وہ سیدھی راہ کو جاننے کیلئے قرآن وسنت کو دیکھنے کی بجائے، شخصیات کو دیکھ کر حق کا فیصلہ کرتے ہیں۔ ظالم شیطان نے اس خسارے کی چال پر اتنی مضبوطی سے لوگوں کو جما دیا ہے، کہ درجنوں قرآن کی آیات بھی ایسے لوگوں پر کوئی اثر نہیں کرتیں۔ اگر کوئی ماننا چاہے تو بات تو صرف اتنی سی ہے کہ:

''اگر ہم عملاً شخصیات کو اللہ و رسول ﷺ کے تابع کر لیں (یعنی ہر ہر بات پر قرآن وسنت کو رہبر بنائیں) تو یقیناً اللہ کی رحمت کے مستحق ہو جائیں۔''

لیکن جو لوگ شخصیات کی وجہ سے قرآن سے اعراض کریں، وہ متکبر ہیں، اللہ ان سے نمٹ لے گا:

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِيَاطِ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُجْرِمِيْنَ o لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّ مِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاش وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِينَ o﴾ (سورۃ الاعراف، آیت:40-41)

''بلاشبہ جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، انکے لئے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ ہی کبھی وہ جنت میں داخل ہوسکیں گے، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے (یعنی جسطرح اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گزرنا محال ہے اسی طرح انکا جنت میں جانا محال ہے)۔ اور ایسا ہی بدلہ ہم دیا کرتے ہیں مجرموں کو۔ انکے لئے ہوگا جہنم ہی اوڑھنا اور بچھونا، اور ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں ہم ظالموں کو۔''

افسوس کہ یہ خطرناک مرض (یعنی اپنے من پسند مسلک، اکابرین کی خاطر قرآن سے غفلت واعراض) فرقہ پرست مسلمانوں میں سے بہت سوں کو لگ چکا ہے۔

<u>آخری سوال!</u> اگر کوئی یہ فیصلہ کرلے کہ وہ بزرگان دین کی پیروی کی بجائے صرف اللہ، اسکے رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی پیروی کرے گا۔ تو بروز قیامت کیا اسکو پوچھا جائے گا کہ تو نے فلاں، فلاں کی پیروی کیوں نہ کی..... اسکے برعکس جو اللہ، رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی بجائے دیگر اپنے اپنے پسندیدہ بزرگوں تک محدود رہا کیا وہ خطرے میں ہوگا یا وہ شخص جو بزرگوں کی بجائے قرآن وسنت پر ہوگا.....؟

اللہ تعالیٰ ہمیں ظالم شیطان کے اس طاقتور پھندے سے نجات عطا فرما کر لوگوں کی بجائے حقیقی معنوں میں قرآن وسنت کو مظبوطی سے رہبر ورہنما بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

عام لوگ تو درکنار

عام لوگ یا اولیاء کرام تو درکنار، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی <u>انفرادی معیار</u> بنانے کی بجائے انکی <u>اجماعی پیروی</u> کا حکم ہے۔ انفرادی پیروی اس شرط کے ساتھ ہے کہ دیگر صحابہ کا اختلاف نہ ہو۔ یعنی کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ وعمل کو معیار بناتے ہوئے بھی یہ دیکھا جائے گا کہ دیگر صحابہ کرامؓ کا اس پر اتفاق ہے یا اختلاف۔ انفرادی پیروی کا حقدار روئے زمین پر صرف رسول (ﷺ) ہوتا ہے۔ انفرادی طور پر معیار بنانے کے حوالے سے صحابہ کرامؓ سے چند مثالیں پیش خدمت ہیں تاکہ حقیقت تک پہنچنا آسان ہوجائے:

(۱)۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷺ کا تشہد میں سلام کے الفاظ کو تبدیل کر دینا:

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے آپ ﷺ کی وفات مبارک کے بعد تشہد میں ﴿ایھا النبی﴾ کی بجائے ﴿علی النبی﴾ پڑھنا شروع کر دیا تھا یعنی صیغہ حاضر کو صیغہ غائب سے تبدیل کر دیا دیکھئے: (صحیح بُخاری'' کتابُ الاستیذان'' رقم:6265)۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷺ کے علم و عمل اور فقاہت کا صحابہ کرام ؓ میں بلند مقام ہونے کے باوجود بھی انکا یہ عمل اسلئے حجت نہیں کہ باقی صحابہ ؓ کا اس پر اجماع یا اتفاق نہ ہو سکا۔ اسی لئے پوری اُمت کا اتفاق ''السلام علیک ایھا النبی'' پر ہی ہے۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ انکے اس عمل پر کسی نے ان پر بغض رسول کا فتویٰ بھی نہیں لگایا تھا۔

(۲)۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷺ کا سورہ فلق اور ناس کو قرآن کا حصہ نہ ماننا: سیدنا عبداللہ بن مسعود ﷺ کی اپنی رائے میں سورہ فلق اور ناس جادو کے توڑ کیلئے بطور وظیفہ نازل ہوئی تھیں اور وہ انہیں قرآن کا حصہ نہیں مانتے تھے۔ لیکن باقی صحابہ کرام ؓ کا انکی اس بات پر اتفاق نہ ہو سکا، اسلئے آج ساری امت انکی اس رائے کو تسلیم نہیں کرتی۔ تفصیل کیلئے دیکھئے: (صحیح بُخاری ''ابواب التفسیر، سورہ ناس'' رقم:2094)

کیا آج انکی اس رائے کو اسوہ بنایا جا سکتا ہے....؟ حالانکہ وہ علم و فقاہت اور تقویٰ کے بلند ترین مقام پر تھے۔

(۳)۔ حدیث نہ پہنچنے کی بنا پر سیدنا ابو ہریرہ ﷺ کا فتویٰ: اسلام کی ابتداء میں حالت جنابت میں سحری کرنا ممنوع تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 30 سال تک اسی پر فتویٰ دیتے رہے۔ مروان بن حاکم کے دور میں ان تک ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت پہنچی کہ آپ ﷺ نے حالت جنابت میں سحری اور روزہ رکھنے کی اجازت مرحمت فرما دی تھی، تو انھوں نے فوراً رجوع کر لیا۔

(صحیح بُخاری'' کتابُ الصوم'' حدیث نمبر 1926، صحیح مسلم ''کتابُ الصیام'' رقم: 2589)

(۴)۔ متعہ کی بابت سیدنا عبداللہ بن عباس ﷺ کا فتویٰ: غزوہ خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے متعہ کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا تھا۔ جس کی خبر عبداللہ بن عباس ﷺ تک نہیں پہنچی تھی اِسی لئے آپ ﷺ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد 50 سال تک اس کے جواز پر ہی فتویٰ دیتے رہے حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر ﷺ کے بتانے پر آپ ﷺ نے رجوع کیا۔

(بُخاری کتابُ النکاح، نمبر 5116، مُسلم ''کتابُ النکاح'' رقم:3429)

امید ہے کہ بات سمجھ آ چکی ہوگی کہ ہدایت و نجات کیلئے رسول (قرآن و سنت) کی پیروی ناگزیر ہوتی

ہے۔قرآن وسنت کے بعد صحابہ کرامؓ کی بھی اجماعی پیروی ہوتی ہے۔انفرادی پیروی اس وقت ہے جب دوسرے صحابہ کا اختلاف نہ ہو۔تو پھر دیگر علما، اکابرین، اولیاء، پیر حضرات اور بزرگان دین کو اندھا دھند انفرادی طور پر دین کا معیار بنانے کی گنجائش کہاں رہ جاتی ہے.....؟رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی کا بُت اتنا بڑا ہے کہ انسانیت کو بہالے گیا ہے۔اللہ ہمیں شخصیات کی قدر کرنے لیکن انہیں رسالت کے تابع کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

نوٹ: اس ضمن میں وہ حدیث کہ ''میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جسکی پیروی بھی کروگے ہدایت پر آجاؤ گے'' سند کے اعتبار سے ضعیف اور قابل اعتبار نہیں۔

آبا پرستی کے اجزا

ایک دفعہ پھر سے یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ اسلام میں اللہ اور رسول ﷺ کے علاوہ دیگر لوگوں جیسے: اہل علم حضرات، امام، ولی، عالم، امیر، بادشاہ، مرشد، والد، والدہ، شوہر وغیرہ کی اطاعت فی نفسہ ممنوع نہیں بلکہ اصول یہ ہے کہ: **((لا طاعته فی معصیه، انما الطاعته فی ا لمعروف))**

''معصیت اور نافرمانی میں کسی کی کوئی اطاعت نہیں، اطا عت صرف اور صرف معروف (شریعت کے مطابق امور) میں ہوسکتی ہے۔'' (بخاری، کتاب اخبارالاحاد)

اس اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے شرک سمیت دیگر معصیت و نافرمانی سے بچنے کا حل اسکے سوا اور کوئی بھی نہیں کہ تعلیمات وحی کو معیار بناتے ہوئے بات کو پرکھا جائے، اور قرآن وسنت کو ترجیح پر رکھا جائے۔جب بھی معلوم ہوجائے کہ کوئی بات یا عمل قرآن وسنت کے مطابق نہیں اسے دین وشریعت کا حصہ بنانے سے فوراً توبہ کرتے ہوئے، تعلیمات وحی کی خوش دلی سے پیروی کرلی جائے۔ہم پورے وثوق سے یہ بات کہتے ہیں کہ اگر ہم اس اصول کو دل وجان سے تسلیم کرلیں تو فرقہ بندی ختم ہوجائے، ہم سب ایک ہوجائیں، ہدایت یافتہ ہوجائیں۔ایسا کیوں نہیں ہوسکا۔؟ اسکی سب سے بڑی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ ہم اپنے اپنے پسندیدہ مکاتب اور بزرگان دین کی باتوں کو عین دین کا درجہ دے چکے ہیں اور انکی تعلیمات کی موجودگی میں قرآن وسنت کی تعلیمات کو معیار بنانے کو ہرگز تیار نہیں۔جبکہ ہمارے خیال میں ہدایت کے اعتبار سے کائنات کی یہ سب سے بڑی حقیقت ہے کہ:

''اس وقت تک اللہ تعالیٰ کسی شخص کو حق بات سمجھنے کا موقع نہیں دے گا جب تک وہ خوش دلی کے ساتھ اپنے آپ کو تعلیمات وحی کے سامنے پیش نہ کر دے۔''

رسالت سے دور کرنے کیلئے شیطان آبا پرستی پر ابھارتا ہے، جس کے درج ذیل اجزا ہیں:

(۱)۔ اہل حکام کی اندھی پیروی، (۲)۔ آئمہ دین کو حرف آخر سمجھتے ہوئے انکی غیر مشروط اندھی اور جامد تقلید، (۳)۔ محدثین کو حرف آخر سمجھنا: یعنی محض سند (اسماء الرجال) کی بنیاد پر محدثین کی تحقیق کو حرف آخر سمجھنا اور صحابہؓ کے اسوہ کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ، امام جعفر صادق اور امام مالک رحمہم اللہ کے درایت و متن کے اُصولوں کو روا نہ کھنا۔ (۴)۔ اپنے اپنے پسندیدہ گروہ کی اندھا دھند پیروی، (۵)۔ نظام بیعت کا غلط استعمال

مطلقاً کسی کی پیروی کی نفی نہیں، بلکہ مذکورہ پانچوں شکلوں میں عقل و بصیرت، دانش اور تعلیمات قرآن کے سائے تلے پیروی کا جواز ہے، نہ کہ اندھا دھند۔ ان کی وضاحت کیلئے دیکھئے ہماری تحریر:

''قرآن مجید کی حاکمیت''

اندھی و جامد تقلید کی اطاعت میں شراکت کی مذکورہ پانچوں شکلوں میں الا ماشاء اللہ انسانیت اپنے اپنے آبا کی روش پر اندھا دھند عمل پیرا ہے، جیسا کہ قرآن نے واضح کیا:

﴿ اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ ۝﴾ (سورہ الزخرف:23:43)

''ہم نے اپنے بزرگوں کو ایک راہ پر پایا اور ہم بھی انہیں کے نقوشِ قدم کی پیروی کی راہ پر لگے ہوئے ہیں۔''

اگر اعتدال سے کام لیا جاتا!

اگر اعتدال سے کام لیتے ہوئے اللہ اور رسول ﷺ کی بات کو سب پر ترجیح دیتے ہوئے پیروی کی جاتی تو حرج نہ تھا۔ لیکن مذکورہ چاروں شکلوں میں اکثریت (بالخصوص برصغیر پاک و ہند) کی صورت حال افسوسناک ہے۔ لوگوں کو کلامِ الٰہی کی آیات دکھا دیں یا رسول اللہ ﷺ کے فرامین، وہ ٹس سے مَس نہیں ہوتے۔ ہاں اگر ان کے کسی عالم کا قول بتلائیں تو فوراً تسلیم کر لیں گے۔ اس طرز عمل کو بروز قیامت نہ تو

آئمہ دین سمیت دیگر نیک لوگ قبول کریں گے اور نہ اللہ ورسول ﷺ اسے برداشت کریں گے۔ اللہ ہماری اصلاح فرمائے۔ (آمین)

اس ضمن میں تفصیلی معلومات کیلئے دیکھئے ہماری تحریر: (ظلم عظیم پر جامع رہنمائی)

---

(2)۔ضعیف وموضوع روایات

چونکہ آپ ﷺ کی طرف منسوب بات دین بن جاتی ہے اس لیے دین کو مسخ کرنے کیلئے یہودیوں، منافقین اور اُن کے پیروکاروں نے لاکھوں کے حساب سے روایات گھڑ کر اسلام میں داخل کر دی ہیں۔ اسی لیے حدیث کی سند اور درایت ومتن کو دیکھنا انتہائی ضروری ہے۔ چنانچہ تیسری صدی ہجری کے مشہور محدث امیر المسلمین فی الحدیث امام ابوالحسین مسلم بن حجاج قشیری رحمہ اللہ (المتوفیٰ 261ھ) نے اپنی شہرہ آفاق مجموعہ احادیث ''صحیح مسلم'' کے مقدمہ میں اپنی کتاب تصنیف کرنے کی بنیادی وجہ کثرت کے ساتھ ضعیف ومنکر روایات کی موجودگی بیان کی ہے

چنانچہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

((ثقہ لوگوں کی حدیثیں جن کی روایت پر قناعت ہوسکتی ہے کیا کم ہیں کہ بے اعتبار اور جن کی روایت پر قناعت نہیں ہوسکتی اُن کی روایتوں کی احتیاج پڑھے۔۔۔مزید فرمایا۔۔۔میں سمجھتا ہوں کہ جن لوگوں نے اِس قسم کی ضعیف حدیثیں اور مجہول سندیں نقل کی ہیں اور اُن میں مصروف ہیں اُن کے ضعف کو جاننے کے باوجود اُن کو بیان کرنا تاکہ عوام کے نزدیک اپنا کثرتِ علم ثابت کریں کہ لوگ کہیں سبحان اللہ فلاں شخص نے کتنی زیادہ حدیثیں جمع کی ہیں (وہ شخص) عالم کی بجائے جاہل کہلانے کا زیادہ حقدار ہے))۔

امام مسلم رحمہ اللہ اپنی شہرہ آفاق مجموعہ احادیث ''صحیح مسلم'' کے مقدمہ میں تقریباً 100 احادیث اور

روایات اس بات کی دلیل پر لے کر آئے ہیں کہ حدیث صحیح ہونا ضروری ہے اُن میں سے چند پیش کی جاتی ہیں۔ اگر آپ حقیقت سے آگاہی چاہتے ہیں تو صحیح مسلم کا مقدمہ ضرور بالضرور پڑھیں:

نمبر ۱: سیدنا علی رضی اللہ عنہ، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

''جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا (یعنی جھوٹی حدیث بیان کی) وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔'' (صحیح مُسلم ''المقدمہ'' حدیث نمبر 1 ، صحیح بُخاری ''کتابُ العلم'' حدیث نمبر 106)

نمبر ۲: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

''اِنسان کے جھوٹا ہونے کے لیے یہی کافی ہے کہ سنی سنائی بات آگے بیان کر دے۔'' (صحیح مُسلم ''المقدمہ'' حدیث نمبر 8)

نمبر ۳: سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

ترجمہ: ''میری حدیث بیان کرتے ہوئے احتیاط کیا کرو اور صرف وہی بیان کرو جس کے بارے میں تمہیں علم ہو کہ یہ میری حدیث ہے پس جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے''۔ (جامع ترمذی ''کتابُ التفسیر'' حدیث نمبر 295)

نمبر ٤: سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا:

- **((یکون فی اٰخر الزمان دجالون کذابون یاتونکم من الاحادیث بما لم تسمعوا انتم ولا اباؤکم فایاکم و ایاھم لا یضلونکم ولا یفتنوکم))**

(صحیح مُسلم ''المقدمہ'' حدیث نمبر 16)

'' آخری دور میں فریب کار جھوٹے لوگ ہوں گے، وہ تمہارے پاس ایسی احادیث لائیں گے جو نہ تم نے سنی ہوں گی نہ تمہارے آباء نے، پس اپنے آپ کو ان سے اور انہیں اپنے آپ

سے دور رکھیو تا کہ کہیں وہ تمہیں گمراہی اور فتنے میں مبتلا نہ کر دیں۔''

نمبر ۵: سیدنا عبداللہ بن مسعود ؓ بیان کرتے ہیں:

''بعض اوقات شیطان انسانی شکل میں کسی مجمع کے اندر آتا ہے اور لوگوں سے حدیث بیان کرتا ہے۔ جب مجمع چھٹ جاتا ہے تو لوگ کہتے ہیں یہاں ایک شخص آیا تھا جس نے یہ حدیث بیان کی ہے جس کی شکل تو پہچانتا ہوں لیکن نام یاد نہیں اور وہ شیطان ہوتا ہے۔''

(صحیح مُسلم ''المقدمہ'' روایت نمبر 17)

نمبر ٦: ''ابوزنا داپنے والد کا بیان نقل کرتے ہیں، میں نے مدینہ منورہ میں ۱۰۰۔ایسے افراد کو پایا جو سب نیک لوگ تھے لیکن انکی روایت کو قبول نہیں کیا جاتا تھا۔اور یہ کہا جاتا تھا کہ یہ اسکے اہل نہیں ہیں۔'' (روایت نمبر 28)

نمبر ۷: ''یحیٰ بن سعید القطان اپنے والد کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ احادیث کے بارے میں نیک لوگ سب سے زیادہ جھوٹ بولتے ہیں،..... امام مسلم فرمایا: یہ لوگ جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتے بلکہ جھوٹ ان کی زبانوں پر جاری ہو جاتا ہے۔'' (نمبر۔39)

آج بھی ہم اس بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اپنے ذہن ومسلک، گروہ کے خلاف جب دلائل سے واسطہ پڑے تو انسان سچائی کی بجائے جھوٹ کی راہ کو اپنانے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

نمبر ۸: ''سیدنا ابن عباس ؓ نے فرمایا: ہم نبی اکرم ﷺ کے حوالے سے اس وقت حدیث بیان کیا کرتے تھے، جب آپ ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب نہیں کی جاتی تھی، لیکن جب سے لوگوں نے ہر مشکل اور آسان سواری پر سوار ہونا شروع کر دیا تو ہم نے آپ ﷺ کے حوالے سے احادیث بیان کرنا ترک کر دیا۔'' (روایت نمبر۔17)

نمبر ۹: سیدنا عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ (المتوفیٰ۔181ھ) بیان کرتے ہیں:

''اسناد دین کا حصہ ہیں اور اگر دین میں سند موجود نہ ہو تو ہر شخص اپنی مرضی کا دین بیان کرنے لگے۔''

(صحیح مُسلم ''المقدمہ'' روایت نمبر 30)

محترم مسلمان بھائیو! حدیث رسول ﷺ کے حوالے سے ایک اور بہت بڑی حقیقت آپ پر واضح ہو چکی ہے۔ دیکھا آپ نے کہ رسول اللہ ﷺ نے کس قدر واضح الفاظ میں اپنی امت کو بہت بڑے خطرے سے آگاہ فرمایا اور دوٹوک الفاظ میں اسلام میں من گھڑت احادیث داخل کرنے والوں کے متعلق پیشگی خبر دی اور حکم دیا کہ اپنے آپ کو ان سے دُور کر لینا کہ کہیں وہ تمہیں گمراہ نہ کر دیں۔ اس کے باوجود بھی اگر ہم قرآن حکیم اور صحیح السند روایات کے خلاف ضعیف روایات کو دلیل بنائیں تو قصور وار تو ہم ہی ہوئے۔ محدثین نے احادیث کی سند کے حوالے سے بڑی محنت سے چھان پھٹک کرتے ہوئے ضعیف و موضوع احادیث کی نشاندہی کی ہے اور ضعیف احادیث اپنی کتابوں میں درج کر کے ان پر حکم لگا دیا ہے۔ اقسام احادیث کا بیان ایک تفصیل طلب مسئلہ ہے، عام لوگوں کے لیے اسے مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

<u>حدیث کی روایت کے درجات:</u> 1۔ صحیح 2۔ حسن 3۔ ضعیف 4۔ موضوع

احکام و مسائل کے لیے صرف پہلے دو درجوں سے استفادہ کرنا چاہیے۔ صحت حدیث کے ضمن میں محدثین نے درج ذیل بہت سخت اصول وضع کئے ہیں:

(1)۔ جرح و تعدیل

یعنی راویوں کے اعتبار اور عدم اعتبار کا فیصلہ۔ اس ضمن میں درج ذیل شرائط ہیں:

(۱)۔ لوگوں کی اکثریت اسے اچھا عالم تصور کرتی ہو۔ عربی زبان پر گرفت ہو۔ قرآن اور حدیث کا اچھا نالج ہو، (۲)۔ عدل: راوی دیانتدار اور سچا ہو مذاق میں بھی جھوٹ نہ بولتا ہو، (۳)۔ ضَبط: یعنی قوی و مظبوط حافظہ کا مالک ہو، (۴)۔ اس میں علت نہ ہو یعنی چوٹی کے حفاظ حدیث نے اس پر کوئی اعتراض نہ اٹھایا ہو، اسے معلول قرار نہ دیا ہو نقص نہ نکالا ہو۔ (۵)۔ اتصال سند یعنی سند کی زنجیر منقطع نہ ہو، رسی ٹوٹی ہوئی نہ ہو، (۶)۔ سند شاذ نہ ہو: یعنی کسی مقبول یا ثِقہ راوی نے اپنے سے زیادہ مقبول، ثقہ، عدل و ضبط والے راوی کی مخالفت نہ کی ہو۔

(2)۔متن یعنی عبارت کا درست ہونا

(۱)۔روایت دیگر صحیح احادیث کے خلاف نہ ہو۔فرقہ واریت کی بنا پر یہ بہت بڑا فتنہ ہے جس سے لوگ باز آنے والے بالکل بھی نہیں ہیں۔(۲)۔سند کے ساتھ درایت بھی درست ہو۔یعنی عقل و دانش،حکمت و دانائی پر مبنی بات ہو۔قوانین فطرت کے خلاف نہ ہو جیسے روایات میں آئے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوتا ہے..... تو ایسی روایت سند درست ہونے کے باوجود بھی قابل قبول نہ ہوگی۔(۳)۔معمولی کاموں پر بہت بڑے اجر کی نوید نہ ہو۔جس کا نتیجہ ترجیحات کا فقدان ہے۔یعنی لوازم دین فرائض و واجبات پس پشت جبکہ کم اہمیت والے کام اصل دین بن جائیں گے۔جو کہ بن چکے ہیں۔(۴)۔متن یعنی عبارت قرآن حکیم کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔

قرآن مجید دین کا پرائمری ماخذ اور اولین بنیاد ہے۔تمام دینی علوم اسی کے تابع ہیں۔قرآن ہر علم پر حاکم و جج اور پیمانہ و معیار ہے۔اگر روایات سمیت کوئی بھی دینی بات قرآن کی واضح تعلیمات کے خلاف ہو تو سند درست ہونے کے باوجود بھی محدیثین اسے قبول نہیں کرتے بلکہ اسے نبی کریم ﷺ پر جھوٹ قرار دیتے ہیں کیونکہ پیارے رسول ﷺ کا مقصد قرآن کا اِبلاغ ہے۔آپ ﷺ کا طرز عمل تو ہے ہی قرآن (کان خلقه القرآن)۔لہٰذا جس نے قرآن کے واضح احکامات کے خلاف کسی دینی رہنمائی کو ترجیح دی وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔

اس ضمن میں دو انتہاؤں سے بچنا ہے:

(۱)۔بغیر سوچے سمجھے اور گہرے فہم و بصیرت اور اہل علم سے استفادہ کے بغیر جو روایت اپنے ذہن و مسلک کے خلاف آئے اسے قرآن کے خلاف قرار دے دینا درست نہیں۔

(۲)۔اگر واقعتاً کوئی روایت قرآن کی واضح و محکم تعلیمات کے خلاف ہو تو قرآن کی غلط تاویل کرتے ہوئے اسے قرآن کے اوپر لانے سے بھی بچنا ہے ورنہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

بچت اسی میں ہے کہ ایسی صورت حال میں ان روایات کی ایسی تاویل کی جائے کہ بات قرآن کے

مطابق ہو جائے یا ایسی روایات پر خاموشی اختیار کرتے ہوئے انہیں اللہ کے سپرد کر دیا جائے۔ جیسا کہ فرمان رسول ﷺ بھی ہے:

''امر تین قسم کے ہیں، ایک وہ جسکی رشد و بھلائی واضح ہے پس اسکی اتباع کرو، ایک امر وہ ہے جسکی گمراہی واضح ہے، پس اس سے اجتناب کرو اور ایک امر وہ ہے جس کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے، پس اسے اللہ عزوجل کے سپرد کر دو۔'' (مسند احمد)

اس روایت کی سند تو کمزور ہے لیکن اصولاً یہ بات بالکل درست ہے۔ اصول درایت کی تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر ''قرآن مجید کی حاکمیت اور امت مسلمہ کا اخلاقی زوال''

<u>کتب احادیث کے طبقات اور اُن کی تفصیل</u> : برصغیر پاک و ہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ (المتوفیٰ-1176ھ) نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''حُجۃُ اللہِ البَالِغَہ'' میں کتب احادیث کے طبقات یوں بیان کیے ہیں:

طبقہ اول: ۔صحیح بُخاری ، 2۔صحیح مُسلم ، 3۔الموطاء امام مالک

طبقہ دوم: 1۔جامع ترمذی، 2۔سُنن ابوداؤد، 3۔سُنن نسائی، 4۔سُنن ابن ماجہ، 5۔مسند امام احمد

طبقہ اوّل اور دوم کی کتب کی تفصیل یوں ہے:

#	کتابیں	کُل احادیث	مُحدثین رحمهم الله کے نام	وفات
1	صحیح بُخاری	7,397	امام محمد بن اسماعیل بُخاری	256ھ
2	صحیح مُسلم	7,563	امام مُسلم بن حجاج قشیری	261ھ
3	جامع ترمذی	3,956	امام محمد بن عیسیٰ ترمذی	279ھ
4	سُنن ابی داؤد	5,274	امام ابوداؤد سلمان بن اشعت	275ھ
5	سُنن نسائی	5,761	امام احمد بن شعیب نسائی	303ھ

6	سُنن ابن ماجہ	4,341	امام محمد بن یزید ابن ماجہ	273ھ
7	الموطاء امام مالک	1,720	امام مالک بن انس	179ھ
8	مسند امام احمد	27,647	امام احمد بن حنبل	241ھ

طبقہ اول: 1۔صحیح بُخاری ، 2۔صحیح مُسلم ، 3۔الموطاء امام مالک

طبقہ دوم: 1۔جامع ترمذی، 2۔سُنن ابوداؤد، 3۔سُنن نسائی، 4۔سُنن ابن ماجہ،5۔مسند امام احمد

ان طبقات کو بیان کرنے کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (رحمہ اللہ) نے فرمایا:

''یار کھو! اہل علم محدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حدیث کے موضوع پر قابل اعتماد کتب صرف پہلے دو طبقہ کی کتابیں ہیں۔اس کے علاوہ باقی احادیث کی کتابوں میں موجود روایتوں کا ان دو طبقہ (کل۔8) کتابوں سے موازنہ کروایا جائے گا اگر ان کے خلاف نہ ہوں تو قبول کر لی جائیں گی ورنہ قابل عمل نہ ہوں گی..... سچی بات تو یہ ہے کہ صحیح بُخاری اور صحیح مُسلم کا باقی کتب سے مقابلہ کرو تو حقیقت تم پر خود کھل جائے گی۔''

(حُجَّۃُ اللّٰہِ الْبَالِغَۃ :مترجم:مولانا عبدالرحیم''صفحہ نمبر 451'')

پھر فرمایا وہ احادیث جو:

''صوفیاء اور مورخین کی زبان پر جاری رہتی ہیں یا ان کے قلم سے نکلتی ہیں وہ ان چاروں طبقاتِ حدیث میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتیں۔من جملہ اس کے وہ روایات ہیں جو ملحد اور بے باک لوگوں نے حدیث کے نام پر رکھ کر مروج کی ہیں اور انکے لئے اسناد گھڑنے میں یہ کمال ہے، کہ کوئی ان پر جرح بھی تو نہیں کرسکتا اور عبارات اس قدر فصیح و بلیغ کہ بادی النظر میں یہی خیال پیدا ہوتا ہے کہ سچ مچ آنحضرت ﷺ کی ہی حدیث ہے۔اس قسم کی نام نہاد حدیثیں مسلمانوں کے حق میں بڑا فتنہ اور ایک عظیم مصیبت ہیں'' (حجۃ اللہ البالغہ،مترجم،ص۔۴۵۴،جلد۔۱)

مزید فرمایا:

''ان (صوفیاء) حضرات کے اقوال واحوال لوگوں کے دلوں پر کتاب وسنت اور ہر چیز سے زیادہ تسلط رکھتے ہیں۔ان کے رموز واشارات اس قدر دخل پا گئے ہیں کہ جو شخص ان رموز واشارات کا انکار کرے یا ان سے خالی ہو یعنی انکا موقعہ بے موقع ذکر نہ کرے وہ نہ تو مقبول ہوتا ہے اور نہ ہی صالحین میں شمار ہوتا ہے۔''

یاد رکھیں! اب جبکہ ہر حدیث پر محدثین کی رائے موجود ہے اس کے باوجود ضعیف احادیث بیان کر کے ساتھ یہ بات واضح نہ کرنا کہ یہ ضعیف روایت ہے اللہ ﷻ کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔پھر ایسی کمزور روایات کو بنیاد بنانا جو قرآن اور صحیح السند روایات کے خلاف ہوں بہت بڑی ہلاکت ہے۔اصل بات تو یہ ہے کہ جب آیاتِ قرآنی اور صحیح احادیث کثرت سے موجود ہیں تو ضعیف وموضوع روایات کو کیوں بنیاد بنایا جائے؟ دنیا کے معاملے میں تو ہم بہت ہوشیار ہیں۔ اچھی سے اچھی چیز خریدنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ہمارا نقصان نہ ہو جائے اور جہاں ہم نے ہمیشہ رہنا ہے اس سے ہم غفلت برتتے ہیں۔کیا اللہ کے رسول ﷺ نے سختی سے موضوع روایات سے استدلال سے منع نہیں فرمایا؟ پھر ہم کیوں ایسا کرتے ہیں؟ کیا ہم نے اللہ کے سامنے پیش نہیں ہونا؟ کاش ہم سوچیں۔

صحیح اور ضعیف حدیث کا تقابل

حقیقت حال کو سمجھنے کے لیے چند ضعیف روایات پیش کی جاتی ہیں تا کہ آپ کو یقین ہو جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی خبر کس حد تک پوری ہو چکی ہے:

مثال نمبر۔۱

صحیح حدیث: رسولُ اللہ ﷺ نے ایک رسی بندھی ہوئی دیکھی تو پوچھا یہ کیا (اور کس لیے)

ہے؟ کہا گیا یہ زینب (رضی اللہ عنہا) کے لیے ہے۔ جب وہ (عبادت کرتے ہوئے) تھک جاتی ہیں تو اِس سے لٹک جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو اسے کھول دو جب تک ہشاش بشاش رہو تو نماز پڑھو اور جب تھک جاؤ تو بیٹھ جاؤ۔

(صحیح بخاری ''کتابُ التہجد'' حدیث نمبر 1150، صحیح مسلم ''کتابُ الصلوۃ'' حدیث نمبر 1831)

ضعیف حدیث: ''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں حضور اقدس ﷺ رات کو جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے آپ کو رسی سے باندھ لیا کرتے تاکہ نیند کے غلبہ سے گر نہ جائیں۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿ طٰہٰ o مَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓی o اِلَّا تَذْکِرَۃً لِّمَنْ یَّخْشٰیo﴾ (طٰہٰ، آیت: 3 - 1)

''طٰہٰ (اَے نبی ﷺ!) ہم نے آپ (ﷺ) پر قرآن اِس لئے نہیں اُتارا کہ آپ (ﷺ) مشقت میں پڑ جائیں بلکہ یہ (قرآن) تو نصیحت ہے ڈر رکھنے والوں کے لئے۔''

(ابنِ عساکر (المتوفی۔571ھ)، فضائل نماز، صفحہ 82 ، تبلیغی نصاب، ص398)

اِن آیات کے ترجمہ سے ہی واضح ہے کہ آپ ﷺ کو تسلی کیلئے کہا جا رہا ہے کہ تبلیغ کریں اور اس مشقت میں نہ پڑیں کہ کوئی حق قبول کرتا ہے یا نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا ڈر رکھنے والوں کیلئے ہی نصیحت ہے۔ اِس ضعیف حدیث کا ایک راوی ''عبدالوہاب بن مجاہد'' اِمام حاکم نیشاپوری (المتوفی۔405ھ) اور دیگر جمہور محدثین کے نزدیک متروک الحدیث اور من گھڑت موضوع حدیثیں بیان کرنے والا راوی ہے۔ عقلمند آدمی کیلئے صحیح اور ضعیف و موضوع احادیث کا فرق سمجھنے کیلئے یہ مثال کافی ہے۔

مثال نمبر۔۲

صحیح حدیث: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: ((نبی ﷺ پردہ نشین کنواری لڑکیوں سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، جب آپ کوئی ایسی چیز دیکھتے جو آپ ﷺ کو ناگوار گزرتی تو ہم اسے آپ ﷺ کے چہرے مبارک سے پہچان لیتے تھے۔)) (صحیح بخاری، کتاب لادب)

اورقرآن مجید نے آپ ﷺ کے متعلق گواہی دی:

﴿وانک لعلی خلق عظیم﴾۔(بلاشبہ آپ اخلاق کے بلندترین درجے پر فائز تھے)

اب اسکے برعکس آپ ﷺ کی بابت ضعیف حدیث ملاحظہ کریں۔اسے بیان کرنے کی ہمت تو نہ ہوتی مگر چونکہ محدثین نے اسے بلا جھجک بیان کیا ہے اسلئے ضعیف احادیث کے خطرے سے امت مسلمہ کو بچانے کی خاطر پیش خدمت ہے۔

ضعیف حدیث: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ ﷺ کوفرماتے سنا:

((من تعزی بعزاء الجاهليه فا عضوه بهن ابيه ولا تكنوا))

(شرح السنہ، کتاب البروالصلہ ،مشکوۃ، کتاب الادب، مسند احمد 136/5)

''جوشخص جاہلی نسب کی طرف نسبت کرے (اوراس پرفخر کرے) تو اس سے کہو اپنے باپ کا آلہ تناسل کاٹ کرمنہ میں لے لو اور یہ بات کنایہ سے مت کہو۔''

یہ روایت حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔

کیا نبی کریم ﷺ سے ایسی بات کی توقع کی جاسکتی ہے؟؟ ہرگز نہیں۔

مثال نمبر۔۳

تابعین تک جن میں سید بن مصیب رحمہ اللہ بھی شامل ہیں، بالکل صحیح سند کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ سورۃ النجم کی آیت ۱۹ اور ۲۰ جہاں لات اورعزیٰ کا ذکر ہے، دوران تلاوت آنحضور ﷺ کی زبان مبارک پرشیطان نے یہ الفاظ جاری کرادیئے:

تلک الغرانیق العلیٰ وشفا عتھن لترتجیٰ

یہ بلند و بالا دیویاں ہیں اور انکی شفاعت کی ضرور آس ہے

چنانچہ صحابہ کرام اورمشرکین سب سجدے میں گر گئے۔

یہ روائت صرف تابعین تک ہے، صحابہ تک نہیں جاتی، اسی لئے امام مسلم رحمہ اللہ نے مسلم شریف کے

مقدمے میں فرمایا کہ: ''تابعین کی مرسل کوئی شے نہیں۔'' پس ان لوگوں کیلئے بھی بڑی عبرت ہے جنہوں نے تابعین و تبع تابعین کے بہت بعد کے لوگوں کو بلا دلیل دین کا معیار بنالیا ہے۔

بچت کی راہ! دین کی بنیاد محکم آیات پر رکھی جائے متشابہات پر ایمان رکھا جائے، انھیں محکم کی موجودگی میں سمجھا جائے۔ قرآن ہر چیز پر حاکم و جج ہے کوئی چیز قرآن کے اوپر نہ لائی جائے ورنہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ اگر کوئی بات قرآن سے متصادم ہو تو اس کی ایسی تاویل کریں کہ وہ قرآن کے تحت ہو جائے نہ کہ قرآن کو دیگر علوم کے تحت کیا جائے۔ پھر صحیح و حسن روایات سے استدلال کیا جائے۔ اگر کوئی روایت صحیح و حسن روایات کے خلاف آ رہی ہو تو اس پر عمل نہ کیا جائے۔ اولیاء اللہ و بزرگان دین سے عقیدت و محبت ہونی چاہیے لیکن قرآن و سنت کو بنیاد بناتے ہوئے ان کی تعلیمات سے استفادہ کیا جائے۔

---

(3)۔ سنت کی بجائے بدعات کا فروغ

جن و انس کی تخلیق کا مقصد شیطان کی مخالفت اور اللہ رب العزت کی بندگی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (سورۃ الذاریٰت: 51: آیت: 56)

''اور نہیں ہے جنوں اور انسانوں کو پیدا کرنے کا مقصد سوائے اسکے (کوئی اور) کہ وہ میری بندگی کریں''۔

عبادت کے اس فریضہ کو خالق نے ہر انسان کی مرضی پر موقوف نہیں رکھا کہ جیسے جی چاہے کرے بلکہ اسکے لئے اپنے نمائندے انبیاء و رسل علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ ہمارے لئے سید الاولین والآخرین خاتم النبین جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کے اسوہ مبارک کو معیار ٹھرایا:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (سورۃ الاحزاب: 33: آیت: 21)

''یقیناً تمھارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے۔''

اب تا قیامت یہی دین قابل قبول ہے کہ اللہ کی بندگی رسول اللہ ﷺ کے اسوہ مبارک کے مطابق کی جائے۔ دین وشریعت میں اس معیار کی بجائے کسی اور معیار کو اپنانا یا اس معیار کو تبدیل کرنا، اس میں کمی بیشی کرنا بہت بڑا جرم ہے اور اسی جرم کا نام 'بدعت' ہے۔ بدعت نبی کریم ﷺ کی سنت کی مخالفت اور دوزخ میں لے جانے والا عمل ہے۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے طریقے کو تبدیل کرنا یا مشروع دین کے برعکس کوئی نیا طریقہ رائج کر کے اسے دین وشریعت قرار دینا بدعت ہے۔ بدعت گناہ کبیرہ سے بھی زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ گناہ کو انسان گناہ سمجھتا ہے، جبکہ بدعت کو دین وشریعت کا حصہ۔ بدعت کی زد میں آنے والا شریعت سازی کے جرم کا مرتکب ٹھہر جاتا ہے۔

<u>شیطان کی کارستانی:</u> سنت سے دور کرنے اور بدعت پر عمل پیرا کروانے کیلئے ظالم شیطان نے اپنا عمل دخل دو طرح سے کیا ہے:

(۱)۔ بدعت کے لفظ کو بدنما بنا دیا ہے کہ لوگ اس نام سے ہی چڑ جائیں، تقریر اور تحریر میں بدعت کا نام سنتے ہی اکثریت اعراض کر جاتی ہے، اسے سمجھنے بوجھنے سے آنکھیں بند کر لیتی ہے۔ تاکہ نہ بدعت کو سمجھا جائے اور نہ ہی اس سے بچنے کی نوبت پیدا ہو سکے۔

(۲)۔ بدعات کو خوشنما بنا دیا ہے تاکہ اس دلکش جال میں انسانیت پھنس جائے۔ لہٰذا اہل بصیرت کو ہر وقت مکار ابلیس کی چالوں سے چوکنا رہنا چاہئے۔

حقیقی سنت پر مبنی اصل دین اب تبدیل ہو کر اجنبی ہو چکا ہے جسے الا ماشاء اللہ لوگ تسلیم کرنے کیلئے آمادہ نہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے خبر دی:

> ''دین حجاز کی طرف اسطرح سمٹ جائے گا جسطرح سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ جاتا ہے اور دین حجاز میں اسطرح محفوظ ہوگا جسطرح پہاڑی بکری پہاڑی چوٹی پر پناہ لیتی ہے۔ بے شک دین کا آغاز اجنبیت کے عالم میں ہوا اور وہ عنقریب اسی حالت میں لوٹ جائے گا جیسے شروع ہوا۔ ایسے اجنبیوں کیلئے خوشخبری ہے۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو

میری سنت کی اصلاح واحیاء کریں گے جسے لوگوں نے میرے بعد خراب کر دیا ہوگا۔''

(جامع ترمذی، مشکوٰۃ، کتاب الایمان)

اسی حدیث کی مختصراً تائید بخاری، مسلم میں یوں آئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک ایمان مدینہ کی طرف سمٹ آئے گا جس طرح سانپ اپنے بل کی طرف سمٹ آتا ہے۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ:160)

جو بچنا چاہے: بدعت پر یہ وضاحت صرف اسی کیلئے فائدہ مند ہے جو رب سے ڈرنے والا ہے۔ جو واقعتاً شیطان اور اخروی خسارہ سے بچنا چاہے۔ جس نے شیطان کے فریب میں آ کر بات نہ ماننے کا فیصلہ کر لیا ہو اسکے لئے کوئی دلیل بھی کارآمد نہیں۔ جس نے نہیں ماننا وہ ہر دلیل کو منفی پہلو سے ہی دیکھے گا، 'دل بے ایمان تے جتاں ڈھیر'۔ اللہ تعالیٰ بات سمجھنے اور ماننے کی توفیق نصیب فرمائے۔ (آمین)

بدعت کا لغوی معنی:

لغت کے اعتبار سے: کوئی نئی چیز بنانا یا ایجاد کرنا جسکی پہلے سے مثال موجود نہ ہو۔

شرعی اصطلاح میں:

بدعت کے ضمن میں اللہ اور رسول ﷺ کی تعلیمات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ:

''دین میں داخل کردہ ہر وہ نیا نظریہ یا عمل مذموم بدعت میں داخل ہوگا: جسے شریعت یا دین سمجھ کر اللہ اور رسول ﷺ کی رضا کی خاطر ثواب اور اخروی نجات کی نیت سے اختیار کیا جائے لیکن وہ دین کی اصل (اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات، سنت رسول ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اجماع) سے ٹکراتا ہو۔ بدعت درحقیقت سنت کی ضد اور مخالفت ہے۔''

امام راغب اصفہانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''مذہب میں بدعت ایسے قول کو کہتے ہیں جسکا قائل یا فاعل صاحب شریعت کے نقشِ قدم پر

نہ چلا ہو اور شریعت کی سابقہ مثالوں اور اسکے اصولوں کی پیروی نہ کی ہو۔''

(مفردات القرآن، ص۔37)

اسکے برعکس بغیر ثواب کی نیت سے نئے اختیار کردہ دنیاوی امور (جو قانون کے دائرہ میں ہوں) جنہیں دین یا شریعت نہ سمجھا جائے وہ بدعت کے زمرے میں نہیں آئیں گے۔ انشاء اللہ دلائل ملاحظہ کرنے کے بعد بات مزید واضح ہو جائے گی۔

بدعت اور نبی کریم ﷺ کی تنبیہات

سب سے پہلے بدعت کے ضمن میں نبی کریم ﷺ کی تنبیہات ملاحظہ کریں تاکہ جلد حقیقت سے آشنائی ہو جائے:

ہر خطبہ میں تنبیہ: آپ ﷺ اپنے ہر خطبے کے آغاز میں لوگوں کو ان الفاظ میں تنبیہ فرماتے:

((وخير الحديث كتاب الله، وخير الهدى هدى محمد (ﷺ) وشر الامور محدثاتها، وكل محدثة بدعة وكل بدعة ضلالة))

(ابن ماجہ، مقدمہ باب اجتناب البدع والجدل، رقم:45، مسلم)

''سب سے بہترین بات اللہ کی کتاب کی ہے، اور سب سے بہترین ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور بدترین کام وہ ہیں جو (دین میں) نئے جاری کئے جائیں (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔''

ایک اور حدیث میں ہے:

((وكل ضلالة فى النار))۔ ''اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔'' (نسائی)

کیا بدعت کو سنجیدہ لینے کیلئے آپ ﷺ کی یہ تنبیہ کافی نہیں....؟

دین میں نیا کام قابلِ رد: آپ ﷺ نے فرمایا:

((من احدث فى امرنا هذا مالیس منه فهو رد)) (مسلم:4492، بخاری:2697)

''جس نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام جاری کیا جس کی اصل (دین میں) موجود نہ ہوتو وہ مردود (قابلِ رد) ہے۔''

یعنی دین میں جاری کردہ نیا کام اپنانے کی بجائے رد کرنے کے قابل ہے۔ ذرزا سوچیں یہ تنبیہ کون فرمارہا ہے؟ کیا اب بھی ہماری آنکھیں نہ کھلیں گی....؟

حوضِ کوثر کے پانی سے محرومی: بروزِ قیامت نبی کریم ﷺ بدعتیوں سے شدید بیزاری کرتے ہوئے انہیں حوض کوثر کے پانی سے محروم کردیں گے۔ سیدنا سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں حوضِ کوثر پر تمھارا پیش رَو ہوں گا، جو وہاں آئے گا پانی پیئے گا اور جس نے ایک بار پی لیا اسے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جنہیں میں پہچانوں گا اور وہ بھی مجھے پہچانیں گے۔ پھر انہیں مجھ تک آنے سے روک دیا جائے گا۔ میں کہوں گا یہ تو میرے صحابی ہیں لیکن مجھے بتایا جائے گا اے محمد (ﷺ) آپ نہیں جانتے آپ کے بعد ان لوگوں نے کیسی کیسی بدعتیں رائج کیں۔ پھر میں بھی کہوں گا (**سحقا سحقا لمن غیّر بعدی**)۔ دوری ہو دوری ہو ان سے جنہوں نے میرے بعد میرے دین کو بدل ڈالا۔'' (بخاری رقم:6583: مسلم:2290)

کیا اب بھی دھوکے میں آنے کی گنجائش باقی رہ گئی ہے.....؟

نوٹ: یہاں صحابہ سے مراد وہ نئے اسلام میں داخل ہونے والے لوگ ہیں، جن میں ایمان ابھی پوری طرح راسخ نہ ہوا تھا، جن میں سے بعض نے زکوٰۃ کا بھی انکار کیا، جن سے سیدنا صدیق اکبرؓ نے جہاد کیا۔

سب کی لعنت: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص یہاں (مدینہ میں) کوئی بدعت جاری کرے اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور سارے انسانوں کی لعنت ہے۔'' (بخاری:7306، مسلم)

اس سے شدید کس طرح اللہ کے رسول ﷺ وعید فرماتے کہ ہم باز آجاتے۔!

بدعتی کی تعظیم: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من وقر صاحب بدعة فقد اعان علیٰ ھدم الاسلام))

(البیہقی فی شعب الایمان:9464،مشکوٰۃ کتاب الایمان،اسنادہ حسن)

''جس نے کسی بدعتی کی عزت وتوقیر کی تو اس نے اسلام گرانے میں مدد کی۔''

بلکہ حدیث میں اس شخص پر بھی لعنت کی گئی ہے جو بدعتی کو پناہ دے۔(بخاری:7306،مسلم،کتاب الاضحیٰ)

سب لوگوں کا گناہ: آپ ﷺ نے فرمایا:

''جس نے کوئی بدعت جاری کی اور اس پر لوگوں نے عمل کیا تو بدعت جاری کرنے والے پر ان تمام لوگوں کا گناہ ہوگا جو اس بدعت پر عمل کریں گے جبکہ بدعت پر عمل کرنے والے لوگوں کے اپنے گناہوں کی سزا سے کوئی چیز کم نہیں ہوگی۔''

(مشکوٰۃ کتاب الایمان:168:ترمذی،رقم:2677)

لمحہ فکریہ: ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کو نبی تسلیم کرتا ہے، نبی کریم ﷺ کی ان تنبیہات سے آگاہی کے بعد کیا اب کوئی جواز رہ جاتا ہے کہ بدعت کے ضمن میں غفلت کا طرز اختیار کیا جائے....؟ اب بھی کسی کے کان پر جوں نہ رینگے تو مسلمانی اور محبتِ رسول ﷺ کیسی....؟

آپ ﷺ کے جانثار ساتھیوں کا طرزِ عمل

ہمارے کان پر تو جوں نہیں رینگتی لیکن آپ ﷺ کے جانثار ساتھیوں کے نزدیک آپ ﷺ کی تنبیہات کی کیا اہمیت تھی، اس ضمن میں صرف تین مثالیں ملاحظہ کریں:

(۱)۔صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے چھینک کے بعد پڑھا:

(الحمدللہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ)

اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اسے ٹوکا اور کہا:

﴿ما هٰكذا علمنا رسول الله بل قال : (اذا عطس احدكم فليحمد لله) ولم يقل: وليصل على رسول الله﴾

(جامع ترمذی کتاب الادب، باب مایقول العاطس اذا عطس نمبر:2738، سندہ حسن)

''رسول اللہ ﷺ نے تو ہمیں اسطرح نہیں سکھایا بلکہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا: جب کسی کو چھینک آئے تو 'الحمدللہ' کہے اور یہ ہرگز نہیں حکم دیا کہ ساتھ درود بھی پڑھے۔''

آپ ﷺ سے محبت کا یہ حقیقی معیار ہے کہ من مرضی کرنے کے بجائے، آپ ﷺ کے طریقے کو ترجیح دی جائے، جو کام جسطرح آپ ﷺ نے سکھلایا ہے اسے اسی طرح کیا جائے۔ نیکی کے نام پر خود ساختہ طور طریقوں سے سنت مصطفٰی ﷺ کو تبدیل کر دینا کوئی محبت نہیں۔ گر کسی نے ہدایت پر آنا ہو تو بدعت کے حوالے بہت ساری گمراہیوں کا حل اس واقعہ میں موجود ہے۔

(۲)۔ایک دن حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو شکایت کی کہ:

''مسجد میں کچھ لوگ نماز کے انتظار میں حلقہ بنائے بیٹھے ہیں، سب کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں اور ہر حلقہ میں ایک آدمی متعین ہے جو ان سے کہتا ہے ۱۰۰ بار اللہ اکبر کہو، تو سب لوگ اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر کہتا ہے ۱۰۰ بار الحمد للہ کہو تو سب ۱۰۰ بار الحمد للہ کہتے ہیں، پھر کہتا ۱۰۰ بار سبحان اللہ کہو تو سب سبحان اللہ کہتے ہیں۔ یہ سن کر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ تم نے ان لوگوں سے پھر کیا کہا؟، سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے سوچا کچھ کہنے سے پہلے اس پر آپ کی رائے معلوم کرلوں، اس پر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم نے ان سے کیوں نہ کہہ دیا کہ اپنے گناہ شمار کرو..... یہ سن کر سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں مسجد کی طرف روانہ ہوئے، لوگوں سے کہا یہ کیا ہو رہا ہے؟..... پھر فرمایا: تعجب ہے اے امت محمدیہ! کہ ابھی تو تمھارے نبی کے صحابہ کثیر تعداد میں موجود ہیں، ابھی آپ ﷺ کے چھوڑے ہوئے

کپڑے نہیں پھٹے، آپ کے برتن نہیں ٹوٹے، 'یا امة محمد! ما اسرع هلكتكم' ۔'اے امت محمد تم کتنی جلدی ہلاک ہو گئے'..... قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم یا تو ایک ایسی شریعت پر عمل کر رہے ہو جو محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت سے (نعوذ باللہ) بہتر ہے، یا گمراہی کا دروازہ کھول رہے ہو۔''

(سنن دارمی، باب فی کراھیۃ اخذ الرای، نمبر: 201، سندہ حسن)

نماز کے انتظار میں اجتماعی طور پر اس قسم کا عمل آپ ﷺ سے مشروع نہیں، انفرادی نوافل، ذکر اذکار، دعا وغیرہ کا عمل ملتا ہے۔ اسلئے اجتماعی طور پر اس نئی شکل کی عبادت پر گرفت فرمائی گئی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کی سنت کی مضبوطی سے حفاظت کرتے ہوئے اسے بدعات سے پاک نہ رکھتے تو آج شاید کوئی عمل بھی خالص سنت کے مطابق نہ نظر آتا۔ کیا ہم بھی اسوہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنانے کیلئے تیار ہیں.....؟

(۳)۔ ایک آدمی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آیا اور کہا:

''فلاں آدمی نے آپ کو سلام کہا ہے، آپؓ نے فرمایا: میں نے سنا ہے کہ اس نے بدعت (نیا عقیدہ) ایجاد کیا ہے، اگر اس نے بدعت ایجاد کی ہے تو اسے میری طرف سے سلام مت پہنچانا۔'' (ترمذی: رقم: 2152)

واضح ہو گیا کہ صحابہ کرامؓ بدعات کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کی تنبیہات پر کس قدر سنجیدہ تھے۔

<u>نیک کام بدعت کیسے؟</u> شیطان بدعات میں پھنسانے کیلئے سب سے بڑی یہی بات ذہن میں ڈالتا ہے کہ جب کام نیک ہے تو پھر اسکے جاری کرنے میں کون سی قباحت ہے؟ بظاہر تو یہ بات بھلی معلوم ہوتی ہے لیکن حقیقت میں بھلی نہیں۔ بات کو سمجھ کر شیطان سے بچنے کیلئے درج ذیل نکات پر غور فرمائیں۔

❁ اوپر بیان کردہ دونوں واقعات 'چھینک کے بعد درود پڑھنا' اور 'نماز کے انتظار میں اجتماعی ذکر

اور حلقہ بندی' دونوں بظاہر تو نیک کام ہیں لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے سختی سے دونوں سے منع کر دیا کیونکہ یہ سنت مصطفیٰ ﷺ سے موافق نہ تھے۔ اگر کسی نے بچنا ہو اور بات ماننی ہو تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مذکورہ بالا دو واقعات بات کو واضح کرنے کیلئے کافی ہیں کہ کام محض نیک ہونے کی بنیاد پر اختیار نہیں کیا جا سکتا جب تک سنت کے مطابق نہ ہو۔

- تین لوگ جنہوں نے ہمیشہ روزے رکھنے، ساری رات قیام کرنے اور نکاح نہ کرنے بلکہ یہ وقت بھی اللہ کو دینے کے ارادے کئے تھے۔ یہ سب نیک کام تھے لیکن چونکہ یہ اسوہ مصطفیٰ ﷺ سے موافق نہ تھے اس پر آپ ﷺ ان پر غصے ہوئے اور فرمایا:

((فمن رغب عن سنتی فلیس منی))

(بخاری رقم:5063: مسلم، مشکوٰۃ کتاب الایمان:145)

''جس نے میری سنت سے اعراض کیا اسکا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔''

کیا مذکورہ ضمن میں شک کی گنجائش رہ جاتی ہے؟

- ایک شخص نے نماز عید سے قبل نفل نماز پڑھنا چاہی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اسے منع کیا۔ اس شخص نے کہا میرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے نماز پڑھنے (والے اس نیک کام پر) سزا نہیں دے گا۔ اس پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اور مجھے یقیناً معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کام پر ثواب نہیں دے گا جب تک رسول اللہ ﷺ نے اسے کیا نہ ہو یا اسکی ترغیب نہ دی ہو۔''

بلکہ آپ رضی اللہ عنہ نے مزید فرمایا:

''ممکن ہے اللہ تعالیٰ تجھے اپنے رسول ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے سزا دے۔''

(نظم البیان، ص۔73)

سوچا جائے تو آخر نوافل پڑھنے میں کیا برائی ہے...؟ لیکن پھر بھی اس پر وعید کر دی گئی...! امید ہے بدعت کی تائید میں شیطان کے سب بڑے مذکورہ فریب کی سمجھ آ چکی ہوگی۔ اللہ ہمیں بات سمجھنے اور

بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

گناہ اور بدعت میں فرق: بدعت بھی گناہ ہی ہے۔لیکن اس میں بنیادی فرق یہی ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے جبکہ بدعت کو نیکی اور کارِثواب سمجھ کر اپنایا جاتا ہے۔اسلئے اس پر کبیرہ گناہ سے زیادہ سخت وعیدیں نازل ہوئی ہیں۔

بدعت کی قباحتیں

بدعت بھی شرک کی طرح بہت قبیح فعل ہے کیونکہ:

(۱)۔ بدعت کبیرہ گناہوں سے زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ گناہ کو گناہ سمجھ کر کیا جاتا ہے،اس سے توبہ کا امکان ہوتا ہے جبکہ بدعت کو ثواب سمجھ کر۔اسلئے توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ بدعتی کو توبہ (کی توفیق) سے محروم کردیتا ہے۔''

(طبرانی :۲۸۱/۴،سندہ صحیح)

حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''شیطان کو گناہ کے مقابلے میں بدعت زیادہ محبوب ہے کیونکہ گناہ سے توبہ کی جاتی ہے جبکہ بدعت سے توبہ نہیں کی جاتی۔''(شرح السنۃ الجزالاول)

(۲)۔ نیکی اور بدی کا تعین کرنا اللہ ورسول ﷺ کا کام ہے۔بدعتی اپنی مرضی سے شریعت سازی کر کے اللہ اور رسول ﷺ کی جگہ پر فائز ہوکر لعنت کا مستحق ہوجاتا ہے۔

(۳)۔ بدعتی شریعت سازی کر کے اللہ اور رسول ﷺ سے آگے بڑھنے کے جرم کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

(۴)۔ بدعتی کو شیطان چونکہ خود ساختہ چیزوں میں جکڑ لیتا ہے،اسلئے انسان کی توجہ سنت سے ہٹ جاتی ہے۔اب وہ سنت کو بدعت سے تبدیل کر کے اللہ کی لعنت کا مستحق ہوکر سنت سے محروم

ہوجاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''جب کوئی قوم بدعت ایجاد کرتی ہے تو اسکے مثل سنت اٹھالی جاتی ہے۔''

(مشکوٰۃ کتاب الایمان:188: دارمی، سندہ صحیح)

اسی پر تبصرہ کرتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اگرچہ بدعت صبح کی سفیدی کی مانند روشن ہو لیکن درحقیقت اس میں کوئی روشنی اور نور نہیں ہے۔ اور نہ ہی کسی بیماری کی دوا اور بیمار کی شفا ہے۔ کیونکہ بدعت دو حال سے خالی نہیں یا سنت کی رافع ہوگی یا سنت سے ساقط ہوگی۔ ساقط ہونے کی صورت میں بالضرور سنت پر زائد ہوگی جو درحقیقت اس کو منسوخ کرنے والی ہے کیونکہ نص پر زیادتی نص کی ناسخ ہے۔''

(مکتوبات امام ربانی، 21، دفتر دوم)

سمجھنے کی اصل بات: بدعت کے ضمن میں سمجھنے کی اصل بات یہی ہے کہ یہ 'سنت' کی ضد ہے۔ بدعت نبی کریم ﷺ کی سنت کی مخالفت و نافرمانی کا نام ہے جیسا کہ فرامین رسول ﷺ سے واضح ہوگیا۔ جب یہ آپ ﷺ کی مخالفت و نافرمانی ہے تو پھر ہم شیطان کے فریب میں آکر کیوں اس نام سے چڑتے ہوئے اسکے فہم سے دور ہوگئے.....؟ نبی کریم ﷺ سے حقیقی اہل محبت کو تو فوراً اسے سمجھ کر بدعات سے اپنا دامن پاک کرنا چاہئے، نہ کہ آنکھیں بند کر شیطان کا لقمہ بننا چاہیے۔

دین میں معاون کام

وہ نئے امور جو دین میں بطور معاونت (Support) ضروری ہیں۔ زمانے کی جدت کے تحت دین کے فائدے کی خاطر جنہیں اپنانا ناگزیر ہو۔ جو دین کی تفہیم، ترویج واشاعت کیلئے ضروری ہوں جیسے: دینی مدارس کی تشکیل، مساجد کے مینار، پکی مساجد بنانا، مساجد میں سہولیات، انکی تزین و آرائش، قرآن پر اعراب لگانا،، درسِ نظامی کا کورس متعین کرنا، وعظ وتذکیر کیلئے جلسوں کا انعقاد، دینی مدارس، مدارس میں کورس کی تشکیل،..... وغیرہ۔ دینی علوم کا سیکھنا سکھانا فرض ہے۔ مدارس اور کورس کی تشکیل اس فریضہ کی ادائیگی کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا یہ بدعت مذمومہ میں داخل نہیں ہوگا۔ مساجد

کے مینار کے حوالے سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اذان منارہ پر دی جائے۔(الزیلعی جلد۔1،ص۔493)۔قرآن پر اعراب کے حوالے سے اصل موجود ہے یعنی قرآن پڑھنا،اسلئے اعراب لگانا ناگزیر ہے کیونکہ عجمی لوگ بغیر اعراب قرآن پڑھ ہی نہیں سکتے۔بہر کیف ان چیزوں کو اختیار کرتے ہوئے یہ دیکھا جائے گا کہ ان میں سے کسی کام کی دین میں ممانعت نہ ہو۔اسے اختیار کرنا دین کیلئے ناگزیر ہو اور ترک کرنا دین کے نقصان کا باعث ہو۔اسکی اصل دین میں موجود ہو۔دین میں پہلے سے موجود کسی مشروع سنت کو تبدیل کر کے دین کی تبدیلی کی کوئی نئی شکل نہ پیدا کی جارہی ہو،تو پھر کوئی حرج نہیں۔بدعت وہی نیا کام ہوگا جو نبی کریم ﷺ کے پہلے سے موجود طریقے کو تبدیل کرے،یا نیا کام جسکی اصل دین میں موجود نہ ہو،جسکی ممانعت ہو،جس کی ضرورت نہ ہو،جو دین میں فائدے کی بجائے الٹا نقصان کا باعث ہو۔یا ضرورت کے تحت کسی نئے عمل کو فرض وواجب کا درجہ دے دیا جائے.....لہٰذا اس حوالے سے جواز بنا بنا کر نئے نئے کام دین میں داخل کرتے ہوئے بہت محتاط رہنا چاہئے۔کیونکہ اس ضمن میں سخت تنبیجات ہیں،اسلئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

باقی رہا معاملہ مباح دنیاوی امور یعنی:نئے ملبوسات پہننا،ہوائی جہاز،ٹرین کا سفر، چودہ اگست وغیرہ.....تو ان کا تعلق دنیاوی امور کے ساتھ ہے۔انہیں کوئی دین،سنت یا کارثواب سمجھ کر اختیار نہیں کرتا۔یعنی یہ شریعت سازی کا موجب نہیں بنتے،اسلئے یہ بدعت کے زمرے میں نہیں آتے۔

تو جہاں تک لوگوں کی بات ہے،جس نے بچنا ہے وہ تو اپنی آخرت کے انجام کے خوف میں ہر چیز سے درست نتیجہ نکالے گا اور جس نے نہیں ماننا وہ ہر درست بات کو بھی غلط رنگ دے دے گا۔دنیا میں ہر کوئی آزاد ہے جو جی چاہے کرے،بروز قیامت نتیجہ سامنے آجائے گا۔

اشکالات کا تحقیقی جائزہ

وہ چیزیں جن سے بدعات کی تائید کا جواز لیا جاتا ہے اختصار کی خاطر ان میں سے چند ایک کا جائزہ

پیشِ خدمت ہے تا کہ بات کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس ضمن میں محتاط رویہ صرف اسی لئے اپنانا ہے کہ بدعت پر نبی کریم کی شدید تنبیحات ہیں۔ اگر آپ نے سختی نہ کی ہوتی تو ہمیں لوگوں کی ملامت کی زد میں آنے کی کیا ضرورت تھی۔؟

(ا)۔ بدعت کا قرآن سے جواز: درج ذیل آیت کریمہ سے بدعت کا جواز لیا جاتا ہے:

﴿....وَّ رَهْبَانِيَّةَ ۟ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ وَ كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝﴾ (سورۃ الحدید:57:آیت:27)

''.....اور رہبانیت (یعنی ترکِ دنیا) تو ان لوگوں نے از خود ایجاد کر لی تھی۔ ہم نے ان پر اسے واجب نہیں کیا تھا، سوائے اللہ کی رضا جوئی کے۔ سو انہوں نے اسکی پوری رعایت نہ کی۔ پھر بھی ہم نے ان میں سے جو ایمان لائے تھے انہیں ان کا اجر دیا اور ان میں زیادہ تر لوگ نافرمان ہیں۔''

یہاں نصاریٰ کی بابت یہ بات واضح کی جارہی ہے کہ تارکِ دنیا ہونا ان پر اللہ نے واجب نہ کیا تھا، لیکن انہوں نے از خود اسے اختیار کر لیا۔ پھر اسکی حدود کو ملحوظ نہ رکھا جسکی وجہ سے فطرت اور عقل کے خلاف باتیں اس میں داخل ہو گئیں۔ اگر وہ اسکے حدود کو ملحوظ رکھتے یعنی بقائے نسل انسانی وغیرہ کا لحاظ رکھتے، نکاح کو ترک نہ کرتے، معاصی سے بچتے..... مکمل تارک الدنیا ہونے کی بجائے جزوی رہبانیت اختیار کرتے تو بچ جاتے۔

یعنی یہاں بھی اس نئے کام کی ایجاد کی ممانعت ہی کی گئی ہے نہ کہ اسے پسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ قانونِ الٰہی کو ملحوظ رکھ کر رہبانیت پر کسی حد تک گنجائش دی گئی ہے۔ مزید یہ کہ ایک آدھی دلیل سے حتمی نتیجہ نکالنے کی بجائے، تطبیق کی بنا پر دیگر دلائل کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرنا ضروری ہے۔ اسی ضمن میں کئی آیات میں سے درج ذیل آیت کریمہ بھی بہت قابل غور ہے:

﴿ اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْۢ بِهِ اللّٰهُ وَلَوْلَا كَلِمَةُ الْفَصْلِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ o﴾ (الشوریٰ:42:آیت:21)

''کیاان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے انکے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔اور اگر فیصلے (کے دن) کا وعدہ نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ کر دیا جاتا اور جو ظالم ہیں انکے لئے دردناک عذاب ہے۔''

یہاں اللہ نے پیغمبروں (علیہم السلام) کے ذریعے بھیجے ہوئے اپنے دین کی بجائے خود ساختہ نئے دین کی ایجاد پر سخت وعید نازل کی گئی ہے۔اوراس فعل کوشریعت سازی قرار دے کر دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔مزید یہ کہ قرآن حکیم اور سنت نبوی ﷺ اور آثار صحابہ ؓ سے تطبیق کی روشنی میں بدعات کے ضمن میں وارد ہونے والی شدید وعیدوں کی روشنی میں ہی حتمی نتیجہ منطبق کرنا چاہیے۔

(۲)۔<u>بدعت حسنہ اور بدعت سیہ:</u> ایک روایت سے ثابت کیا جاتا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں یعنی بدعت حسنہ اور بدعت سیہ۔

حقیقت حال کچھ اور ہے۔صورتحال یوں ہے کہ کچھ انتہائی غریب لوگ ننگے پاؤں آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے جن کے لئے آپ ﷺ نے صحابہ ؓ کو صدقہ خیرات کیلئے ترغیب دلائی اور دینار، درہم، کپڑا، گندم اور کھجور سے صدقہ پر ابھارا۔اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گھروں سے مال لے کر آئے جس سے ڈھیر لگ گیا جس سے آپ ﷺ کا چہرہ انور کھل اٹھا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''**من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها** ....جس نے اسلام میں اچھی سنت نکالی اس کو اسکا اجر ملے گا........اور جس نے بُری سنت نکالی اسکو اسکا گناہوگا......''(مسلم،کتاب الزکوٰۃ،رقم:2351)

پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اس میں اچھی <u>بُری بدعت کا ذکر</u> نہیں بلکہ <u>سنت یعنی اچھے بُرے طریقے</u> کا

ذکر ہے۔اور جس کام کی تعریف کی گئی وہ صدقہ کرنا ہے جسکی اصل قرآن وسنت میں موجود ہے۔اس میں نہ تو دین میں پہلے سے موجود کسی طریقہ کو تبدیل کیا گیا ہے اور نہ ہی دین میں موجود اصل کے خلاف کوئی کام کیا گیا ہے، بلکہ ثابت شدہ طریقہ کی طرف دعوت دی گئی ہے۔یعنی ضرورت کے تحت دین میں موجود حکم کی بجا آوری کیلئے ایک نئے طریق کو اختیار کیا گیا ہے۔لہٰذا اس سے بدعت حسنہ اور سیہ کا جواز درست نہیں۔بدعت کی تو تمام شکلوں کو آپ ﷺ پہلے ہی مردود قرار دے چکے ہیں۔

(۳)۔<u>تراویح کی جماعت:</u> تراویح کی باقاعدہ جماعت جاری کرنے پر سیدنا عمر رضی اللہ نے فرمایا: ''نعم البدعۃ ھذہ''۔'یہ کتنی اچھی بدعت ہے۔'

آپ ﷺ نے تین دن تراویح جماعت سے پڑھائی پھر اس خدشہ سے کہ کہیں امت پر فرض نہ ہوجائے رک گئے۔سیدنا عمرؓ نے اسے اپنے دور میں اس خدشہ سے کہ لوگ تراویح چھوڑ ہی نہ جائیں پورا رمضان جماعت سے جاری فرمادیا۔یہ بالکل کوئی نیا کام نہ تھا بلکہ تراویح کی جماعت کی اصل پہلے ہی دین میں موجود تھی اور نبی کریم ﷺ نے امت پر اسکے فرض ہوجانے کے خدشے سے پورا مہینہ جماعت نہ کرائی، جبکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے اس عمل سے فرضیت کا خدشہ نہ تھا۔اسی لئے بعض صحابہؓ بلکہ سیدنا عمرؓ خود بھی بغیر جماعت کے ہی تراویح ادا کرتے تھے۔ہاں اگر اسے وہ فرض قرار دے دیتے تو پھر بدعت مذمومہ کا سوال پیدا ہوتا تھا۔مزید یہ کہ کئی دیگر معاملات ایسے بھی ہیں جن میں دیگر صحابہؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتفاق نہیں بھی کیا۔دوسری بات یہ ہے کہ خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑنے کا حکم تو آپ ﷺ نے خود دیا ہے۔اسلئے قرآن وسنت کی تنبیہات کی وجہ سے ہمیں بہت احتیاط کرنی ہے اور بے دھڑک از خود نئے نئے کاموں کے اجرا سے بچنا ہے۔

(۳)۔<u>جمعہ کی دوسری اذان:</u> کہا جاتا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی دوسری اذان کا از خود اجراء کیا جو کہ بدعت حسنہ ہے:

حقیقت حال کچھ یوں ہے کہ جب مدینہ شریف کی آبادی بڑھ گئی تو بازار میں بھی آپؓ نے اذان کا

اہتمام کیا تا کہ لوگوں تک آواز پہنچ جائے۔ جبکہ مسجد میں ایک ہی اذان تھی نہ کہ دو اذانیں۔ یہ دوسری اذان درحقیقت پہلی ہی اذان تھی جسے (سپیکر نہ ہونے کی وجہ سے) ضرورت کے تحت آواز کو لوگوں تک پہنچانے کیلئے بازار میں دیا گیا نہ کہ مسجد میں دو اذانیں شروع کی گئیں۔

(۴)۔ قرآن کی کتابی شکل: سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قرآن کو دو گتوں میں جمع کرنا بھی ایک نیا کام ہے۔ قرآن کو جمع کرنے کی اصل بھی سنت میں موجود ہے۔ آپ ﷺ خود قرآن کو چمڑے، پتوں اور ہڈیوں پر لکھوانے کا اہتمام کرواتے تھے۔ اسی اصل کی بنا پر ضرورتِ دین کے تحت قرآن کو کتابی شکل دی گئی تا کہ لوگوں تک اسکی دستیابی ممکن ہو سکے۔ یہ کام دین کی اصل سے ٹکراتا نہیں بلکہ موافقت میں ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ شروع میں اس کام سے متردد تھے پھر آپؓ کا سینہ اللہ نے کھول دیا اور آپؓ نے جان لیا کہ یہ دین کے از حد ضروری کام ہے اسے ہر صورت کرنا چاہیے۔

آج بھی ضروریاتِ دین کے تحت ایسے کام جنکی کی اصل دین میں موجود ہو اور وہ پہلے سے موجود سنت کو تبدیل یا تحریف کر کے شریعت سازی کا باعث نہ بنیں تو وہ جائز ہیں جیسے: مساجد کی پختہ تعمیر، تزین، دینی نصاب، لاؤڈ سپیکر کا استعمال... وغیرہ۔ لیکن سوال یہ ہے کہ بلا جواز اگر ہم نے دین میں بلا خوف اور بلا روک ٹوک مختلف سہاروں اور تاویلوں کے ذریعے سنتوں کو تبدیل اور نئے کام جاری کرتے جانا ہے، تو حصہ اول میں بیان کردہ بدعت پر رسول اللہ ﷺ کی سخت وعیدیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بدعت کے خلاف سخت طرزِ عمل کس لئے ہے؟ پھر اس صورت حال میں کیا اصل دین باقی رہ جائے گا؟

(۶)۔ مسلمانوں کے نزدیک اچھا یا بُرا! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا:

''جسے مسلمان اچھا خیال کریں وہ اللہ کے ہاں بھی اچھا ہے، اور جسے مسلمان بُرا خیال کریں وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بُرا ہے۔'' (المستدرک للحاکم)

اس روایت کی بنا پر یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے کہ اگر مسلمان کسی چیز کو اچھا قرار دے دیں تو وہ اچھی ہو جاتی

ہے۔لہٰذا وہ بے شمار نئے کام جنہیں مسلمان اچھا کہہ رہے ہیں وہ بدعت نہیں ہو سکتے۔

بات یوں نہیں بلکہ اس سے مراد مسلمانوں کا اجماع ہے۔یعنی اگر کسی کام پر مسلمانوں کے سارے گروہ اجتہاد کرلیں تو وہ قابل قبول ہو جائے گا جیسے: بھینس کا حلال ہونا، تروتح کا پورا ماہ جماعت سے ادا کرنا، سپیکر میں اذان..... وغیرہ۔دوسری بات یہ ہے کہ کلمے کا اقرار تو سارے گروہ کرتے ہیں۔کیا سب گروہوں کے اختیار کردہ امور ہر ایک کے لئے قابل قبول ہیں.....؟ مثلا کچھ ماتم کو جائز سمجھتے ہیں کچھ غلط، کچھ دسواں تیجہ کو اچھا اور کچھ بدعت،..... امید ہے بات سمجھ آ چکی ہوگی۔

(٦)۔ تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے، جب تک شریعت منع نہ کرے، یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔

مذکورہ قاعدہ کھانے پینے کی اشیاء کے متعلق ہے نہ کہ شرعی امور کے متعلق۔تاہم معاملہ الٹ ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے عام وعید نازل کی ہے کہ:

((و کل بدعة ضلالة)) یعنی ہر نیا کام بدعت ہے۔

یوں مذمت پر تو عمومی گرفت وارد ہوگئی ہے جس کی بنا پر سارے کام مذموم ہو جائیں گے جب تک کسی کام کیلئے جواز کی دلیل نہ ہو؟

<u>سمجھنے کی اصل بات:</u> بدعت کے ضمن میں سمجھنے کی اصل بات یہی ہے کہ یہ 'سنت' کی ضد ہے، شریعت سازی ہے،، بدعت نبی کریم ﷺ کی سنت کی مخالفت کا نام ہے جیسا کہ فرامین رسول ﷺ سے واضح ہوگیا۔اسلئے احتیاط کی ضرورت ہے نہ کہ غلط جواز کی بنا پر زد میں آنے کی۔

دین میں معاشرتی تبدیلیوں کا جائزہ

زمانہ نبی کریم ﷺ کے دور مبارک سے دور ہونے کی وجہ سے بدترین خرافات اور بدعات کی لپیٹ میں آچکا ہے۔الا ماشاء اللہ اکثریت نے دین کا حلیہ بدل کر ہر کام میں سنت مصطفیٰ ﷺ کو ترک کرکے اپنے اپنے پسندیدہ طریق رائج کرلئے ہیں۔فی زمانہ بدعات کا سیلاب ہے، جسکی پیشین گوئی

رحمت عالم ﷺ نے یوں فرمائی:

''(میری اُمت میں سے) بہتّر (فرقے) جہنم میں جائیں گے اور ایک جنت میں جائے گا اور عنقریب میری اُمت میں ایسے لوگ ظاہر ہوں گے جن میں یہ بدعات اس طرح سرایت کر جائیں گی جس طرح باؤلے کتے کا اثر کٹے ہوئے شخص کے رگ وریشے میں سرایت کر جاتا ہے''۔

(ابوداؤد: رقم:4597، مسند احمد:102/3، رقم:17061)

افسوس کہ اتنی واضح تنبیہات کے باوجود بھی شیطان امت مسلمہ کو ورغلا گیا۔

بطور دین جاری کی جانے والی بدعات کی درج ذیل شکلیں بنتی ہیں:

- دین کو تبدیل کر کے نئے کام کا اجراء: یہ بہت سنگین جرم اور شریعت سازی ہے۔
- مشروع سنت دین جسے نبی کریم ﷺ اور آپ کے اصحابؓ نے اختیار کیا اس میں اضافے کے طور پر نئے کاموں کا اجراء: یہ بھی مردود ہے۔

بچت اسی میں ہے کہ بطور دین قرآن وسنت میں وضع کردہ طریق کو ہی مظبوطی سے تھاما جائے۔ دین میں معاشرتی تبدیلیوں کے جائزے کیلئے پوری کتاب درکار ہے، یہاں ہم صرف چند ضروری چیزیں ہی واضح کر پائیں گے۔

(۱)۔فرائض وواجبات کی پروا کئے بغیر نوافل ومستحبات کی تلقین: فی زمانہ معاشرے میں دین کی تبدیلی یوں نظر آتی ہے کہ: دین میں جو چیزیں ضروری (فرض وواجب) ہیں انکی اتنی پروا نہیں کی جاتی جتنی کم درجے کی چیزوں کی۔ حالانکہ نوافل ومستحبات صرف اسی وقت قرب کا باعث بن سکتے ہیں جب فرض وواجب تمام احکامات پر پابندی اختیار کی جائے۔

(۲)۔زائد چیزوں کو فرض وواجب کا درجہ دینا: دین کا تقاضا یہ ہے کہ ہر چیز کو اسکی جگہ پر رکھا جائے۔ فرائض کو فرائض کی جگہ پر نوافل کو نوافل کی جگہ پر۔ جبکہ نوافل ومستحبات اور دیگر بہت سی از خود

رائج کردہ چیزوں کوفرض وواجب بلکہ اس سے بھی بڑھ کر درجہ دے دیا گیا ہے جو کہ بہت بڑی تباہی ہے۔

(۳)۔پورے دین کی بجائے جزوی دین: نجات (فرض وواجب) پورے دین بشمول حقوق اللہ اور حقوق العباد (100%) دین کو اختیار کرنے میں ہے۔۲۴ گھنٹے کی زندگی کو اللہ کے قانون کے تابع کرنا مقصود ہے۔اس وقت اہل اسلام کی اکثریت نے پورے (فرض وواجب) دین کی بجائے جزوی دین کو اختیار کرلیا ہے جو کہ ہلاکت کا باعث ہے۔نافرمانی تو نافرمانی ہی ہے،خواہ ایک کام میں کی جائے یا ۱۰۰ کاموں میں۔

(۴)۔حقوق العباد سے غفلت: دین کی تبدیلی کی ایک اور شکل یہ ہے کہ عبادات، ذکر اذکار کو تو دین سمجھا جاتا ہے لیکن حقوق العباد (بندے کا بندے سے تعلق) کو دین کی بجائے دنیاداری سمجھا جانے لگا ہے اسلئے نماز روزہ والے بھی عموماً معاملات کی پروا نہیں کرتے۔ ملاوٹ، جھوٹ، بدعہدی، خیانت، دین کے نام پر قتل وغارت... عام ہوچکی ہے۔اسی لئے آج مسلمان پوری دنیا میں ذلیل ہیں۔

(۵)۔فرقہ واریت: قرآن وسنت میں فرقہ واریت (یعنی اپنے گروہ، مسالک اور شخصیات کے تحفظ میں قرآن وسنت کے واضح احکامات سے چشم پوشی، روگردانی اور غلط تاویل وتحریف کرتے ہوئے اپنی الگ شناخت کو پروان چڑھانے کی غرض سے مسلمانوں میں تفریق پیدا کرنا) سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔اسکے باوجود بھی مسلمان الگ الگ گروہوں میں منقسم ہوکر ایک دوسرے کے دشمن بن چکے ہیں۔اسلام مغلوب جبکہ فرقے اور جماعتیں غالب آچکی ہیں۔اور اس طرز عمل کو عین دین سمجھا جاتا ہے۔بلاشبہ یہ دین میں بہت بڑی تبدیلی ہے جس سے ہر ممکن بچنے کی ضرورت ہے۔فرقہ واریت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ تنگ نظری سے بچیں، ذہن کھلا رکھیں، دوسروں کی بات بھی سنیں، دیگر خودساختہ نسبتوں کی بجائے اسلام اور مسلمان کی نسبت سے محبت پیدا کریں۔تفصیل کیلئے دیکھئے

ہماری تحاریر: [''امتِ اسلامیہ کا اتحاد'' اور ''مجموعہ تحاریر'']

(٦)۔آپ ﷺ کے ساتھ تعلق کی صحیح بنیادیں: فرقہ واریت کی بنا پر پیارے رسول ﷺ کے ساتھ صحیح تعلق کی تمام بنیادوں کو ملحوظ رکھنے کی بجائے جزوی بنیادوں کو ملحوظ رکھا جاتا ہے جو کہ دین میں تبدیلی ہے۔آپ ﷺ کے ساتھ وہ صحیح پورا تعلق جس پر نجات موقوف ہے اسکی بنیادیں:

(1)۔آپ ﷺ پر ایمان لانا، (2)۔دل و جان سے زیادہ محبوب رکھنا، (3)۔توقیر و تعظیم اور ادب و احترام کو ہر ممکن ملحوظ رکھنا، (4)۔اطاعت و اتباع کرنا: ذہن و مسلک، اکابرین، امام، علماء، پیر حضرات..... سب کی پیروی آپ ﷺ کے تابع کرنا، سنت کی ضد یعنی بدعات سے بچنا، (5)۔نصرت و حمایت یعنی دین کی اشاعت میں آپ ﷺ کا بازو بننا، (6)۔قرآن مجید کو رہنما بنانا، (7)۔غلو یعنی حد سے تجاوز سے بچنا، (8)۔آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنا۔

(٧)۔بغیر بیعت ہدایت نہیں: اکثریت کے نزدیک اب ہدایت کیلئے بنیادی شرط ہی اولیاء کرام کی بیعت ہے۔جبکہ قرآن و سنت پر غور کریں تو نجات، ہدایت اور کامیابی کیلئے دو ہی شرطیں تکرار سے بیان ہوئی ہیں یعنی اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت۔کلمہ طیبہ میں بھی ہم انہیں دو شرائط کے اقرار کیساتھ کفر سے اسلام میں داخل ہوتے ہیں۔یہی وہ مضبوط رسی ہے جس سے مسلمانوں کو باندھا گیا ہے۔اسی تلقین سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔

''اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی اُسے ایسے باغوں میں داخل کیا جائے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔'' (سورۃ النساء:4:آیت:13)

امت میں آنے والے شیطانی فتنوں سے خالق سے بڑھ کر اور کون آگاہ ہوسکتا ہے، اسلئے اگر اس سے ہٹ کر کوئی اور ضروری شرط ہوتی تو اس سے امت کو شد و مد سے آگاہ کر دیا جاتا۔بہر کیف اگر

بیعت کو اچھی صحبت کی طرح تصور کیا جائے تو درست ہے۔اسی طرح بیعت خلافت بھی جائز ہے۔ یا پھر پیر حضرات اس بات پر بیعت یا عہد لیں کہ مرید قرآن وسنت کو زندگی کی ترجیح بنائے گا، اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کو لازم پکڑے گا۔لیکن اس وقت عام حالات یہ ہیں کہ مرید سالک کے لیے قرآن وسنت سرے سے حجت ہی نہیں رہتے ۔ یہ تبدیلی بلا شبہ بدترین بدعت ہے۔اور بیعت کو ہدایت ونجات کیلئے ضروری شرط قرار دینا شریعت سازی اور بہت بڑی جرئت ہے۔اگر بیعت کے بغیر ہدایت نہیں مل سکتی تو تابعین، تبع تابعین، آئمہ کرام ومحدثین.... رحمہم اللہ سب کے سب بغیر بیعت کیا ہدایت یافتہ نہیں تھے.....؟

(۸)۔اندھی اور جامد تقلید: مشروط پیروی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ، ائمہ، علماء کرام رحمہم اللہ سمیت کسی کی بھی کی جاسکتی ہے،لیکن یہ پیروی قرآن وسنت کے تابع ہونا لازمی ہے۔قرآن وسنت سے آزاد ہوکر اللہ اور رسول ﷺ کے علاوہ کسی کے پیچھے اندھا دھند لگ جانے کی اجازت نہیں۔تقلید کی موجودہ شکل کہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی بجائے مکمل طور پر بغیر قرآن وسنت کو معیار بنائے ہر معاملے میں بغیر دیکھے سنے کسی نہ کسی ایک امام کے پیچھے آنکھیں بند کر کے لگ جانا بلاشبہ بدعت ہے جس کی اجازت اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی نے بھی نہیں دی۔ چوتھی صدی ہجری تک تو تقلید کا نام ونشان نہ تھا لوگ اللہ اور اسکے رسول ﷺ کی ہی پیروی کرتے تھے۔چوتھی صدی ہجری کے بعد مشروط تقلید شروع ہوئی کہ ''المجتهد يخطى و يصيب'' یعنی مجتہد جسکی تقلید کی جارہی ہے اسکے بارے میں یہ عقیدہ ہوکہ اسکی بات درست بھی ہوسکتی ہے اور اُسے خطا بھی لگ سکتی ہے۔آج بھی اگر اس شرط کے تحت تقلید کی جاتی تو حرج نہ تھا۔لیکن آج کی اندھی اور جامد تقلید سے کون آگاہ نہیں جس میں ائمہ اکرامؒ کو حرف آخر قرار دیا گیا ہے،جسکی اجازت خود ائمہ کرام رحمہ اللہ نے بھی نہیں دی تھی۔

(۹)۔اُصول درایت کو روا نہ رکھنا: روایت کی پرکھ کیلئے اسماء الرجال کے اصولوں کے تحت حدیث کی

سند کے ساتھ ساتھ دوسرا بڑا اصول ''درایت ومتن'' تھا جو خیر القرون تک صحیح معنوں میں روا رکھا گیا لیکن اسکے بعد اسے پوری طرح سے ملحوظ نہ رکھا گیا۔ جسکی وجہ سے کئی روایات درایتی معیار کے خلاف بھی قبول عام ہو کر حقیقی دین کو تبدیل کرنے کا باعث بن گئی ہیں۔ اس ضمن میں علامہ شبلی نعمانیؒ نے بڑی حقیقت پسندانہ بات کی ہے، لکھتے ہیں:

''اصولِ درایت کو اصولِ حدیث میں شامل تو کر لیا گیا، لیکن ارباب روایت نے اسے بہت کم برتا اور آج ان گنت روایتیں درایت کے خلاف قبول عام ہیں۔''

(علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان)

اس ضمن میں تفصیل کیلئے دیکھئے ہماری تحاریر:

''قرآن مجید کی حاکمیت اور امت مسلمہ کا اخلاقی زوال''

(۱۰) ضعیف وموضوع روایات: نبی کریم ﷺ کی سخت وعیدوں اور ممانعت کے باوجود اکثریت نے ضعیف وموضوع احادیث کو دین کا حصہ بنا دیا ہے، جو کہ دین میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ بہت بڑی ہلاکت بھی ہے۔

(۱۱) قرآن وسنت کے معیار میں تبدیلی: قرآنی تعلیمات سے دور رہنے کی وجہ سے قرآن وسنت میں مستعمل کئی الفاظ (Terminolgies) کو بُرا جبکہ خود ساختہ الفاظ کو پسندیدہ قرار دے دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر قرآن وسنت میں فوت ہونے والے ہر شخص (خواہ انبیاء کرام علیہم السلام ہوں یا عام لوگ سب) کیلئے 'وفات'، 'موت'، 'خَرَجَ'، 'فارق الدنیا' کے الفاظ کے علاوہ کوئی اور الفاظ نہیں آئے۔ ہم نے اللہ ورسول ﷺ کے اختیار کردہ ان الفاظ کو بُرا خیال کر کے نئے خود ساختہ الفاظ: وصال، پردہ فرمانا.... وغیرہ وضع کر لئے ہیں جو کہ کسی بھی حدیث میں نہیں آئے۔ اسی طرح کی اور بہت سی مثالیں ہیں۔ بلاشبہ یہ طرزِ عمل بھی قرآن وسنت کی رائج اصطلاحات کو تبدیل کرنا ہے۔

(۱۲) سب سے بڑے گناہ سے لاپرواہی: شرک سب سے بڑا گناہ ہے جس پر اللہ نے بروزِ قیامت

بخشش کے دروازے بند کر دیے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی مشرک کیلئے شفاعت سے اعلان براءت فرما دیا ہے۔ اس سنگینی کے پیشِ نظر ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسکی تفہیم اور اس سے بچنے کی بابت سب سے زیادہ سنجیدہ ہوا جاتا، لیکن برصغیر پاک و ہند میں اکثریت کو اس حوالے سے گہری نیند سُلا دیا گیا ہے۔ اکثریت اس عظیم جرم کے حوالے سے لاپرواہی کا شکار ہے جو کہ دین میں بہت بڑی تبدیلی اور شیطان کی بہت بڑی کامیابی ہے، جس کی نشاندہی مولانا الطاف حسین حالی رحمہ اللہ نے یوں کیا:

وہ دین جس سے توحید پھیلی جہاں میں ہوا جلوہ گر حق زمین و زماں میں
رہا شرک باقی نہ وہم و گماں میں وہ بدلہ گیا آ کے ہندوستان میں

دیگر تبدیلیاں

دین میں کچھ بنیادی تبدیلیوں سے آگاہی کے بعد اب دیگر تبدیلیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے تاکہ بچنے والوں کیلئے بچنا آسان ہو سکے:

اذان: الحمدللہ اذان کے مشروع کلمات تو اہلِ تشیع کے علاوہ کسی نے بھی تبدیل نہیں کیے، البتہ بعض الناس نے ثواب کے طور پر اول آخر درودِ پاک کو لازمی اختیار کر لیا ہے۔ اس ضمن میں مشروع عمل یہی ہے کہ اذان اللہ اکبر سے شروع کی جائے۔ مسلم شریف کی روایت کے مطابق اذان سن کر الفاظ کا جواب دیا جائے۔ جب اذان ختم ہو جائے تو آپ ﷺ پر درود پاک بھیجا جائے پھر شفاعت کی دعا کی جائے۔ جب صحابہ کرامؓ اذان سے قبل درود نہ پڑھتے تھے، تو کیا ہم ان سے بڑے عاشقِ رسول ہیں؟ پھر اذان ہی کیوں اس طرح تو کیا ہر عمل (نماز، روزہ، زکوٰۃ، جنازہ، کھانا پینا، کام کاج.....) سے پہلے درود پڑھنے کی ضرورت نہیں؟ محبت یہ نہیں بلکہ محبت ہر ہر عمل میں رسول اللہ ﷺ اور ان کے اصحاب کے اجماع پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ بطور نصیحت درج ذیل روایت پر پھر سے غور فرمالیں شاید بات سمجھ آ جائے:

صحابہ کرامؓ بیٹھے ہوئے تھے کہ کسی شخص کو چھینک آئی اور اس نے چھینک کے بعد

پڑھا: (الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علی رسول اللہ)، اس پر سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اسے ٹوکا اور کہا:

''رسول اللہ ﷺ نے تو ہمیں اسطرح نہیں سکھایا بلکہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا: جب کسی کو چھینک آئے تو 'الحمد للہ' کہے اور یہ ہرگز نہیں حکم دیا کہ ساتھ درود بھی پڑھے۔''

(ترمذی کتاب الادب رقم: 2738، سندہ حسن)

نماز کے بعد کلمہ طیبہ کا ذکر: اکثر لوگ فرض نماز کے ختم ہوتے ہی بلند آواز سے کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے ہیں۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا متواتر مبارک طریقہ تھا کہ فرض نماز کے سلام پھیرتے ہی فوراً بلند آواز سے ''اللہ اکبر'' کہتے جسکی آواز مسجد سے باہر بھی سنائی دیتی اور لوگ جان جاتے کہ جماعت ختم ہوگئی ہے۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی فرض نماز کا مکمل ہونا (درج ذیل) تکبیر کی بلند آواز سے پہچانتا تھا:

((الله اکبر))۔ ''اللہ سب سے بڑا ہے'' (بخاری، رقم: 842، مسلم، رقم: 1316)

ایک دفعہ بلند آواز سے تکبیر کے بعد آپ ﷺ تین مرتبہ ((استغفر الله)) پڑھتے۔

(مسلم، رقم: 1334)

نبی کریم ﷺ کا صحیح السند دلائل سے ثابت متواتر عمل چھوڑ کر اپنی من مرضی کرنا آپ ﷺ سے محبت نہیں۔

عرس: ثواب کی نیت سے سالانہ عروس کا اہتمام دین میں ایسا نیا کام ہے جسکا اہتمام خلفائے راشدین، صحابہ کرامؓ، تابعین، تبع تابعین، ائمہ ومحدثین رحمهم الله نے نہیں کیا۔ یہ نیا کام شرک سمیت بہت ساری دیگر خرافات کی لپیٹ میں آچکا ہے۔

ختم: پیارے رسول ﷺ کا مبارک متواتر طریقہ تھا کہ کھانے کا آغاز خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی بسم اللہ سے فرماتے تھے نہ کہ مروجہ ختم پڑھ کر۔

ختمِ گیارہویں: اسے دین کا حصہ بنادیا گیا ہے۔ لوگ نماز کی اتنی فکر نہیں کرتے جتنی گیارہویں

کی۔سوچنے کی بات ہے کہ کیا خلفائے راشدین،صحابہؓ،تابعین، تبع تابعین، ائمہ ومحدثین رحمہ اللہ گیارہویں دلواتے تھے؟ کیا اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ نے اس کا حکم دیا۔؟

میلادالنبی ﷺ: آپ ﷺ کی پیدائش یقیناً خالق کائنات کا عظیم احسان ہے اور نعمتِ عظمیٰ ہے۔لیکن میلاد کے نام پر جو کچھ ہورہا ہے اسلام ہرگز اسکی اجازت نہیں دیتا۔اس نعمت کے شکر کا طریقہ یہ ہے کہ:ان ایام میں آپ ﷺ کی حقیقی اطاعت واتباع کا عہد کیا جائے،قرآن مجید کو ضابطہ حیات بنانے کا عہد کیا جائے۔محبت سے آپ ﷺ پر درودِ پاک کا اہتمام کیا جائے،آپ ﷺ کے فضائل،سیرت و صورت سے آشنائی کی جائے،اپنی زندگیوں کو بدلنے کا عہد کیا جائے۔آپ ﷺ اپنی پیدائش کے شکرانے پر پیر کا روضہ رکھتے تھے اس سنت عمل کا اہتمام کیا جائے۔جبکہ اہتمام کے ساتھ مروجہ میلاد ساتویں صدی ہجری میں شروع ہوا۔سوچنے کی بات یہ ہے کہ ساتویں صدی ہجری سے پہلے والے لوگ:صحابہؓ،تابعین، تبع تابعین،ائمہ ومحدثینؒ کیا عاشق رسول ﷺ نہ تھے.....؟ کیا انہیں آپ ﷺ کے آنے کی خوشی نہ تھی؟

جنازہ اور تدفین: جنازے اور تدفین میں بھی خلافِ سنت بہت سے رسم ورواج داخل ہو چکے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے سنت سے آگاہی پیدا کر کے سختی سے اس پر عمل پیرا ہوا جائے۔

تیجہ،دسواں،چالیسواں: پیارے رسول ﷺ کی سنت سے ہٹنے کی بنا پر جس طرح شادی بیاہ مشکل ہوگیا ہے،اسی طرح فوتگی کو نبھانا بھی مشکل بنادیا گیا ہے۔لوگوں کے طعنوں سے بچنے کیلے بڑھ چڑھ کر خرچ کرنا پڑتا ہے خواہ قرض اٹھانا پڑے۔حالانکہ سنت مبارک یہ تھی کہ جسکے گھر ماتم ہوجائے اسے کھانا پکانے کی زحمت سے بچایا جائے اور اسکے عزیز واقارب انہیں کھانا مہیا کریں۔آج جو تیجہ، دسواں،چالیسواں نہ کرے اسے مردود کہا جاتا ہے،جبکہ نبی کریم ﷺ کے اپنے لختِ جگر فوت ہوئے، آپ ﷺ نے تیجہ،دسواں،چالیسواں نہ کیا،صحابہؓ،تابعین، تبع تابعین،ائمہ ومحدثینؒ میں سے کسی نے بھی تیجہ،دسواں،چالیسواں نہ کیا۔ضرورت اس بات کی ہے کہ فوت ہونے والے کی اولاد نیک

کام کرے، اسکی کی بخشش کیلئے دعا گو رہا جائے، اسکی طرف سے مستحق لوگوں کی ضروریات پوری کی جائیں، صدقہ خیرات کیا جائے، تا کہ لوگوں کے دلوں سے اسکے حق میں دعائیں نکلیں۔

نوحہ بین کرنا: غم کے موقع پر ماتم، نوحہ، بین کرنا اسلام میں ممنوع ہے۔ آنسو بہانا درست ہے۔ نوحہ بین اور ماتم کو بطور ثواب دین میں شامل کرنے سے بچنے کی ضرورت ہے۔

آخر پر ایک دفعہ پھر نبی کریم ﷺ کے فرمان مبارک پر غور فرمالیں:

☆ ''تم میرے بعد شدید اختلاف دیکھو گے، اسوقت تم میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑ لینا، اس پر مضبوطی سے جمے رہنا، دین میں نئے پیدا ہونے والے امور سے اپنے آپ کو بچا کر رکھنا کیونکہ ہر نیا کام گمراہی ہے۔''

(ابن ماجہ، کتاب السنۃ: رقم:42)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا:

''جو شخص سنت کی پابندی کرتا ہے، سنت ہی کے مطابق اپنا مذہب بناتا ہے اور سنت کو چھوڑ کر آراء پر عمل نہیں کرتا، وہ قیامت کے دن فرقہ ناجیہ میں سے ہوگا۔''

(صحیح ابن حبان: 180/1)

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں بھی اس میں داخل فرمائے (آمین)۔''

اللہ تعالیٰ حقیقی معنوں میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت واتباع اور انکے دین کو تبدیل کرنے کے قبیح جرم سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

باب ۷

خلاصہ گفتگو

(۱)۔ ہمارے پیارے رسول ﷺ، نبیِ آخروا عظم رحمت دو عالم ﷺ جملہ مخلوقات میں بلند ترین مقام پر فائز کیے گئے ہیں اور آپ ﷺ کی سیرت وعظمت کا ہر پہلو بے مثل ہے۔

(۲)۔آپ ﷺ نے رب کی اطاعت و بندگی کی بے مثل مثال قائم کی اور حبیبِ رب العٰلمین ٹھرے۔

(۳)۔آپ ﷺ سے محبت ایمان کا بنیادی جزو ہے۔کامل ایمان یہ ہے کہ تمام مخلوقات سے زیادہ آپ ﷺ کی ذات گرامی محبوب ہوحتّٰی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ۔

(۴)۔رسالت کو کما حقہ تسلیم کرنا انسانیت پر بہت بڑا امتحان ہے۔انسان کی نجات رسولوں (علیہم السلام) کو اسوہ بنانے میں ہے جبکہ ابلیس کی کامیابی لوگوں کو رسولوں (علیہم السلام) سے ہٹا کر غیر نبی کے پیچھے لگا کر غیر مشروط پیروی کرانے میں ہے۔

ہر ہر بات میں، رسول ﷺ (یعنی قرآن وسنت) کو مشعل راہ بنانا ہدایت ونجات کی راہ جبکہ رسولوں (علیہم السلام) کی تعلیمات سے بے نیاز ہو کر دین میں دیگر لوگوں کی اندھا دھند (بغیر دلیل اور بغیر سوچے سمجھے) پیروی خسارے کی راہ ہے۔کیونکہ حقیقت میں یہ انبیاء علیہم السلام کی ناقدری ہے۔شیطان کی کامیابی رسولوں سے ہٹا کر اندھا دھند لوگوں کی پیروی کروانے میں ہے۔اس ضمن میں بھی اکثریت شیطان کی ہی پیروی کرے گی، بہت کم خوش نصیب ہوں گے جو پختگی سے رسول ﷺ کے اسوہ کو مظبوطی سے تھامیں گے۔

(۵)۔ رسالت کے ضمن میں جتنے بھی تقاضے ہیں: (۱)۔تمام مخلوقات حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی

زیادہ نبی کریم ﷺ سے محبت ہونا، (۲)۔دل وجان سے آپ ﷺ کا ادب، احترام، عزت و توقیر کو ملحوظ رکھنا، (۳)۔محبت کے ساتھ آپ ﷺ پر درود وسلام بھیجنا..... یہ سب اسلئے ہیں کہ خوش دلی سے آپ ﷺ کی اطاعت واتباع کی جائے۔اپنی سوچ، خواہش نفس، مسالک، گروہ، فرقے، اکابرین سب کو اللہ ورسول ﷺ کے تابع کر دیا جائے۔

(۶)۔رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی دین کی اصل ہے جبکہ غیر نبی کی پیروی جواز کے طور پر ہے۔ابلیس نے معاملہ الٹ کر دیا ہے۔جواز کو اصل بنا لیا گیا ہے اور اصل یعنی رسولوں (علیہم السلام) کی پیروی کو پس پشت ڈال کر اندھی وجامد تقلید اختیار کر لی گئی ہے۔

(۷)۔رسالت کے متضاد کیلئے قرآن مجید میں درج ذیل اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں:

۔سورہ:(احزاب:66) میں رسالت کے مقابلے میں سردار، لیڈرز، بزرگ حضرات کا ذکر کیا گیا۔

۔ سورہ (فرقان:27-30) میں رسالت کے مقابلے میں دوست احباب کا۔

۔ سورہ (توبہ: 31) میں رسالت کے مقابلے میں مذہبی پیشوا: علماء و مشائخ، امام حضرات کا۔

گویا رسالت کی ضد کی جامع اصطلاح شخصیت پرستی ہے جو درج ذیل چیزوں کو محیط ہے:

۔لیڈرز، سردار، باس، اہل حکام، دوست احباب

۔مذہبی پیشوا: علماء ومشائخ، امام، پیر حضرات

۔والدین، کنبہ قبیلہ

۔پیدائشی مسلک، گروہ، فرقہ، جماعتیں

۔اپنی خواہش نفس کی اندھا دھند پیروی۔

(۸)۔ دینی رہنماؤں سے دشمنی نہیں بلکہ ان کی قدر دانی کرنی ہے، ان کا ادب ہے، احترام ہے،

محبت ہے..... لیکن ان کی غیر مشروط اندھا دھند پیروی رسالت کی ضد ہوگی جس بچنا ہے۔

(۹)۔ سنت کی ضد ''بدعت'' ہے، جس سے پرعمل پیرا ہونے سے نبی کریم ﷺ نے بہت سختی سے منع فرمایا ہے۔

(۱۰)۔ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا عمومی مقصد: انسانیت کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لانا، ابلیسی شکنجوں سے نجات دلا کر دین کے سارے عنوانات: توحید، عبادات، اخلاقیات، معاملات پر عمل پیرا ہونے کیلئے ہدایت و رہنمائی کا عملی نمونہ فراہم کرنا۔ اور خصوصی طور پر انسان کو شرک کی دلدل سے نجات دلا کر اللہ کی وحدانیت اور اللہ کی معرفت کے نور سے سیراب کر کے لوگوں کو خالق کے ساتھ جوڑ کر قابل رشک بنانا ہے۔

(۱۱)۔ عوام کی نظر میں سنت کا بہت ہی محدود تصور ہے یعنی:

''مسواک ،کھانے پینے، سونے جاگنے، مسجد یا گھر سے نکلنے داخل ہونے، ملنے جلنے، سفر کرنے، کپڑا، ٹوپی، امامہ شریف پہننے..... میں آپ ﷺ کا طریقہ ہی صرف سنت کا دائرہ ہے۔''

جبکہ حقیقت میں 'سنت' سے مراد شرعی امور کے متعلق رسول اللہ ﷺ کا طریقہ، راستہ، اسوہ، سیرت اور خُلق مبارک ہے جو پورے دین کا احاطہ کئے ہوئے ہے یعنی:

(۱)۔ فرائض و واجبات (لازمی حصہ)، (۲)۔ سنت موکدہ (فرائض و واجبات کے بعد درجہ)، (۳)۔ نوافل و مستحبات (ضروری نہیں، کوئی عمل کرے گا تو اجر پائے گا نہ کرے گا تو گنہگار نہ ہوگا)، (۴)۔ طبعی امور: کھانے پینے، صحت و تندرستی کے متعلق رہنمائی۔ (۵)۔ دنیاوی امور: زندگی گزارنے کے بہترین عمدہ طریقوں پر رہنمائی۔ جو بھی ان پر عمل کرے گا اجر اور فائدہ پائے گا۔

(۱۲)۔رسالت کی راہ میں درج ذیل بنیادی رکاوٹیں ہیں:

(i)۔شخصیت پرستی، (ii)۔ضعیف وموضوع روایات،اور(iii)۔سنت کی بجائے بدعات کا فروغ۔

(۱۳)۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ حقیقی تعلق کی درج ذیل بنیادیں ہیں جن کوملحوظ رکھے بغیر دعویٰ ایمان اورمحبت سوائے دھوکے کے کچھ نہیں:

(i)۔آپ ﷺ پرایمان لانا، (ii)۔دل وجان سے زیادہ محبوب رکھنا،(iii)۔توقیر وتعظیم اور ادب واحترام کو ہرممکن ملحوظ رکھنا، (iv)۔اطاعت واتباع کرنا: ذہن ومسلک، اکابرین، امام،علماء، پیرحضرات..... سب کی پیروی آپ ﷺ کے تابع کرنا،سنت کی ضدیعنی بدعات سے بچنا،(v)۔نصرت وحمایت یعنی دین کی اشاعت میں آپ ﷺ کا بازو بننا،(vi)۔قرآن مجید کورہنما بنانا، (vii)۔غلویعنی حد سے تجاوز سے بچنا، (viii)۔آپ ﷺ پردرودوسلام بھیجنا۔

ان حقیقی بنیادوں کی بجائے کلی معیارصرف نعت کو بنالیا گیا ہے۔لوگوں کی نظر میں جونعت پڑھے وہ عاشق رسول ﷺ جبکہ جونعت نہ پڑھے وہ گستاخ۔اورنعت میں بھی خالق ومخلوق کے فرق کی حدیں توڑ دی گئی ہیں۔قانون وقاعدے کے تحت نعت کی صورت میں نبی کریم ﷺ کی تعریف وتوصیف مستحسن ہےلیکن معیاراور پیمانہ درج بالا بنیادیں ہیں۔اس ضمن میں یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی نعت درحقیقت کفار کی جانب سے آپ ﷺ پر کئے گئے اعتراضات اورعیوب کا اشعار کی صورت میں جواب تھا۔

۞۞۞۞۞

محترم ساتھیو!

اگر بات سمجھ آ گئی ہے تو اللہ ﷻ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کریں، اور اپنے دوسرے مسلمان بھائی جو قرآن کے نور سے بے بہرہ ہو کر رسالت کے حقیقی تصور سے دور ہیں، اُن تک یہ پیغام پوری کوشش سے پہنچائیں۔

اللہ ﷻ کی حمد وثنا اور اسکا کروڑ ہا شکر ہے جس کے بے پناہ فضل وکرم سے رسالت کے ضمن میں یہ اہم ترین تحریر کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔

کروڑوں رحمتیں ہوں اللہ ﷻ کے پیارے حبیب جنابِ **سیدنا مُحمد رسولُ اللـــہ** ﷺ پر جنہوں نے اللہ کی خالص تعلیمات ہم تک پہنچا کر ابلیس کی ہر چال سے آ گاہی فرما کر اپنی اُمت کو اس مکار دشمن سے بچانے کی راہ بتلائی۔

اللہ کی بے شمار رحمتیں ہوں ان اولیاء کرام، بزرگان دین پر جنہوں نے توحید ورسالت پر قائم رہ کر دنیا کو آخرت کے تابع کر کے مرغوبات نفس کو لگام ڈال دی۔

اس تحریر میں اگر کوئی کمی بیشی ہوئی ہو تو، اُسے اللہ اپنے کمال فضل سے معاف فرمائے اور جن بھائیوں نے تعاون فرمایا اُن کے علم وعمل اور درجات میں اضافہ فرمائے۔اس کاوش کا بہترین اجر میرے پیارے والدین بالخصوص پیاری والدہ محترمہ مرحومہ کو عطا فرمائے اور انکی بخشش اور درجات کی بلندی کا سبب بنائے۔(آمین)

﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَ مَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْ لَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾

اللہ ﷻ کی حمد ہے جس نے ہمیں اِس کی ہدایت دی اگر اللہ ﷻ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے بیشک ہمارے رب کے رسول حق کے ساتھ آئے ہیں۔''

((وما توفیقی الاّ باللّٰہ))

۞۞۞۞۞

جلدی کریں!

ہماری زندگی اور موت کے مابین ایک غیر یقینی دیوار حائل ہے۔ ہر آن اندیشہ ہے کہ یہ دیوار ٹوٹ جائے اور آخرت کے حقائق ایک بے پناہ سیلاب کی طرح ہمارے اوپر پھٹ پڑیں۔ اُس وقت کوئی زور، کوئی ہوشیاری کام نہ آئے گی۔ انسان بالکل بے سہارہ ہو کر اپنے خالق کے سامنے کھڑا ہوگا ۔قرآنی احکامات سے دور، خود ساختہ سوچ، فرقہ واریت اور مسلک پرستی کی بنا پر غلط عقائد و افعال پر گامزن، خواہشات کے رسیا، دنیا کی دلفریبیوں میں گم، آخرت سے غافل لوگ دائمی جہنم میں ڈال دئے جائیں گے۔ صرف بچے گا وہ جس نے تعلیمات وحی کو من وعن سمجھا اور من وعن تسلیم کر لیا۔ اپنی سوچ، اپنے فرقے، گروہ، اپنے لیڈرز، اکابرین، امام، پیر اور بزرگ حضرات کو حقیقی معنوں میں اللہ اور اسکے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات کے تابع کر لیا۔ جس نے صبر کے ساتھ اپنی خواہشات کو قابو کرتے ہوئے، خالق کے سامنے پیش ہونے سے قبل دنیا کی زندگی میں اپنا حساب کر لیا ہوگا۔

اسلئے مکار ابلیس کے فریب سے بچیں اور جلد از جلد حقیقت تسلیم کر کے اپنی دنیا و آخرت کو بچالیں۔ جلدی کریں مہلت کا کچھ بھروسہ نہیں:

''اور (اَے لوگو !) پیروی کرو اُس بہترین شے (قرآنِ حکیم) کی جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اُتاری گئی ہے اس سے پہلے کہ تم پر اچانک عذاب آجائے اور تمہیں اطلاع بھی نہ ہو۔ (اَیسا نہ ہو کہ) پھر تم کہنے لگو کہ ہائے افسوس! اُس غفلت پر جو میں نے اللہ کے حق میں کوتاہی کی بلکہ میں تو مذاق اُڑانے والوں میں ہی رہا۔ یا کہنے لگے کہ اگر اللہ مجھے ہدایت کرتا تو میں بھی پرہیزگاروں میں شامل ہو جاتا۔ یا (قیامت کے دن) عذاب کو دیکھ کر کہنے لگے اَے کاش ! کسی طرح مجھے (دنیا میں) دوبارہ بھیج دیا جائے تو میں بھی نیک لوگوں میں شامل ہوسکوں۔ (اللہ فرمائے گا:) ہاں ہاں! بے شک تیرے پاس میری آیات (قرآن) پہنچ چکی تھیں جنھیں تو نے جھٹلایا اور غرور و تکبر کیا اور تو اِنکار والوں میں ہی رہا۔''

(سورۃ الزمر، آیت:59 - 55)

حق کی کاوش میں: بطور نمونہ چند علماء حضرات سے ملاقات کی لسٹ

نمبر شمار	عالم کا نام	مکتبۂ فکر	تاریخ
1	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	95,96,98, 2001
2	مولانا محمد الیاس قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	2000 - 1999
3	پروفیسر احمد رفیق اختر صاحب	اہلسنت	2003, 2004
4	پیر محمد زاہد صاحب	اہلسنت (بریلوی)	2006, 2007
5	مفتی محمد علیم الدین صاحب	اہلسنت (بریلوی)	16-12-2006
6	مفتی منیب الرحمٰن صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
7	علامہ غلام رسول سعیدی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	22-03-2007
8	ڈاکٹر اسرار احمد صاحب	اہلسنت (داعی تحریک خلافت)	2007،2008
9	پیر نصیر الدین نصیر صاحب	اہلسنت (بریلوی)	3-08-2007
10	مفتی محمد طیب صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Aug. 2007
11	مولانا جمشید صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	Nov. 2007
12	مفتی انصر باجوہ صاحب	اہلسنت (دیوبندی)	2008
13	انجینئر آصف قادری صاحب	اہلسنت (بریلوی)	25-01-2008
14	مولانا مظہر اللہ غلام قمر سیالوی صاحب	اہلسنت (بریلوی)	Mar. 2008
15	علامہ ڈاکٹر عبد الرحمٰن حفیظ صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	2008
16	انجینئر عبد القدوس سلفی صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	2008
17	علامہ حافظ زبیر علی زئی صاحبؒ	اہلسنت (اہلحدیث)	May 2008
18	ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب	اہلسنت (اہلحدیث)	Feb. 2009
19	علامہ ڈاکٹر محمد ادریس زبیر صاحب	اسلام (قرآن وسنت)	2010
20	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب	اہلسنت (جماعت اسلامی)	2011
21	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ	اہل تشیع	2012
22	مولانا اسحاق صاحبؒ	اسلام (اتحاد امہ)	2012
23	علامہ ڈاکٹر نور حیات خان صاحب	اہلسنت (جماعت اسلامی)	2015
24	ابو یحییٰ صاحب	اسلام	2017
25	جاوید احمد غامدی صاحب	اسلام	2017

☆ سوشل میڈیا کے ذریعے علماء حضرات سے استفادہ تادم زندگی جاری ہے۔

﴿حق کی کاوش میں: بطور نمونہ چند مشہور تصانیف سے استفادہ کی لسٹ﴾

کتاب کا نام	مصنف کا نام	کتاب کا نام	مصنف کا نام
1۔تفاسیر قرآنی	قریباً ہر مکتبۂ فکر کی	2۔شرح کتب احادیث	مختلف مکاتبِ فکر کی
3۔جاء الحق	مفتی احمد یار خان نعیمیؒ صاحب	4۔شرح صحیح مسلم/ تبیان القرآن	غلام رسول سعیدی صاحب
5۔تفہیم البخاری	غلام رسول سعیدی صاحب	6۔جملہ تصانیف	ڈاکٹر فرحت ہاشمی صاحبہ
7۔تلاش حق	نجم مصطفائی صاحب	8۔مزاراتِ اولیاء سے توسل	شاہ تراب الحق قادری صاحب
9۔غیر اللہ سے مدد مانگنا کیسا؟	مفتی اکمل قادری صاحب	10۔ توحید اور شرک	علامہ سعید احمد کاظمی صاحب
11۔حیات النبی، مسئلہ استغاثہ، الانتباہ للخوارج والحروراء	پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری صاحب	12 ۔بزرگوں کے عقیدے	مفتی جلال الدین احمد امجدی صاحب
13۔میٹھی میٹھی سنتیں اور دعوت اسلامی	ابوکلیم محمد صدیق صاحب	14۔توحیدِ خالص	الشیخ ابو محمد بدیعدین راشدی صاحب
15۔الفتح الربانی، فتوح الغیب	پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ صاحب	16۔جملہ تصانیف	امام محمد غزالیؒ صاحب
17۔کشف المحجوب	سید بن علی عثمان ہجویریؒ صاحب	18۔رسالہ قشیریہ	امام ابوالقاسم قشیریؒ صاحب
19۔جملہ تصانیف	علامہ پیر سید نصیر الدین نصیرؒ صاحب	20۔جملہ تصانیف	پروفیسر خلیل الرحمٰن چشتی صاحب
21۔مقالات، رسائل الحدیث	حافظ زبیر علی زئی صاحب	22۔شرک کیا ہے؟	محمد عطاء اللہ بندیالوی صاحب
23۔جملہ تصانیف متعلقہ شرک	علمائے عرب	24۔جملہ تصانیف	پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی صاحب
25۔حجۃ اللہ البالغہ	شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ صاحب	26۔شرک کے چور دروازے	حافظ محمد محمود الحضری صاحب
27۔کلمہ گو مشرک	ابوالحسن مبشر ربانی صاحب	28۔فضائل اعمال	شیخ زکریا سہارنپوری صاحبؒ
29۔اختلاف اُمت اور صراط مستقیم	مولانا یوسف لدھیانوی صاحبؒ	30۔دین میں تقلید کا مسئلہ	حافظ زبیر علی زئی صاحب
31۔مکتوبات	حضرت مجدد الف ثانی صاحبؒ	32۔حقیقت التقلید	ابومحمد امین اللہ پشاوری صاحب
33۔حقیقت شرک	مولانا امین احسن اصلاحی صاحب	34۔صراط مستقیم وعقیدہ مسلم	سید سیف الرحمٰن، روشن صاحب
35۔تلبیس ابلیس	علامہ ابن جوزی صاحب	36۔شرک کی حقیقت	نور الحسن شاہ بخاری صاحب
36۔شیعت کا مقدمہ	حسن الامینی صاحب	37۔'پھر میں ہدایت پا گیا	ڈاکٹر تجانی سماوی صاحب
38۔المراجعات 39۔آئینِ وہابیت	عبد الحسین شرف الدین موسوی صاحب استاد جعفر سبحانی	40۔پاکستان کے دینی مسالک 41۔امت اسلامیہ کی شیرازہ بندی	جناب ثاقب اکبر صاحبؒ
42۔سیرۃ النعمان	علامہ شبلی نعمانی صاحبؒ	43۔امام اعظم اور علم الحدیث	مولانا محمد علی صدیقی کاندھلویؒ

ہماری دعوت!

وہ مسلمان جنھیں اللہ کے پیارے رسول ﷺ نے ایک دوسرے کا بھائی قرار دیا، موجودہ دور میں انکی حالت تشویشناک ہے۔ مسلمان جدا جدا گروہوں میں منقسم ہو چکے ہیں، علیحدہ علیحدہ مساجد اور مکاتب بن چکے ہیں، جو جس گھرانے میں پیدا ہوا یا جس ماحول میں پرورش ہوئی وہی اسکا دین و مذہب بن گیا۔ لوگ اپنے پسندیدہ مسلک اور فرقے کو صحیح جبکہ باقیوں کو غلط سمجھتے ہیں۔ باہمی نفرت میں کمی کی بجائے اضافہ ہی ہوتا نظر آرہا ہے۔ ان حالات میں ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ فرقوں سے بالاتر ہوکر سچائی کی بنیاد پر غلط اور صحیح کو واضح کیا جائے اس عزم کے ساتھ کہ:

☆ اللہ کے دین کو مسالک اور فرقوں پر ترجیح دی جائے۔

☆ جس مکتب فکر کی جتنی بات درست ہے اسے تسلیم کیا جائے اور غلط سے بچا جائے۔ صحیح بات جہاں سے بھی ملے اسے بلا چون و چراں تسلیم کیا جائے چاہے وہ ہماری اپنی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔

☆ باہمی غلط فہمیوں کو دور کر کے مسلمانوں کے مابین اتحاد و یکجہتی پیدا کی جائے۔

☆ شخصیات کا احترام کیا جائے لیکن اللہ اور اسکے رسول ﷺ کو کائنات کے تمام لوگوں پر ترجیح دی جائے۔

رب کریم نے ہماری رہنمائی کے لیے فرمایا:

﴿وَ اعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''تم سب مل کر اللہ کی رسی (قرآن مجید) کو مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو''

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَ كَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ﴾ (سورۃ الانعام، آیت: 159)

ترجمہ: ''بیشک جنہوں نے دین میں فرقے بنائے اور گروہوں میں بٹ گئے آپ (ﷺ) کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد، پھر وہ انکو بتلائے گا جو وہ کیا کرتے تھے''۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

ہماری اہم تحاریر

کتاب نمبر	ٹائٹل	کتاب نمبر	ٹائٹل
1	ہدایت: (ہدایت سے کیا مراد ہے اور ہدایت کسے نصیب ہوگی؟)	2	قرآن مجید کی حاکمیت: (احناف اور مالکیہ کے اُصولِ روایت کی روشنی میں عالمگیر غلط فہمی کا ازالہ)
3	امت مسلمہ کا اخلاقی زوال: (زوال کی بنیادی وجوہات اور نجات کا یقینی حل)	4	قرآن مجید سمجھ کر پڑھنا ضروری ہے؟
5	راہ فلاح کی پہلی بڑی گھاٹی: (دنیا پرستی اور نفس وشیطان کے حجابات پر حقائق)	6	رسالت کا حقیقی تصور: (راہِ فلاح کی دوسری گھاٹی: رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی پر آگاہی)
7	توحید کا جامع تصور: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: شرک کے مقابلے میں توحید پر جامع رہنمائی)	8	عبادت کا معنی مفہوم: (تفہیم عبادت پر ایک اہم کتابچہ)
9	ظلم عظیم پر جامع رہنمائی: (راہِ فلاح کی تیسری گھاٹی: غلاظتِ شرک پر جامع رہنمائی)	10	کائنات سے خالق کائنات تک: (وجود خالق کے حیرت انگیز دلائل)
11	طاقتور ابلیسی دھوکے: (مکار ابلیس کی مزین کردہ انتہائی طاقتور چالوں سے آگاہی)	12	مجموعہ تحاریر: (مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر کا مجموعہ)
13	امت اسلامیہ کا اتحاد: (اتحاد و یکجہتی اور فرقہ واریت کی نحوست پر انتہائی اہم تحریر)		

کتابچے (Booklets)

عام لوگوں کیلئے اہم موضوعات پر ضخیم کتابوں کی بجائے کتابچوں کی شکل میں مختصر تحاریر

1	ایمان ایک زندہ حقیقت (انمول تحفہ)	2	زبان سے کلمہ کا اقرار اور نجات کی ضمانت؟
3	مقصدِ حیات	4	انسانیت کی عظیم ترین آفت (خواہشِ نفس)
5	بغیر سمجھے قرآن پڑھنے کی وجوہات؟	6	اوامر و نواہی کی لسٹ
7	تلاشِ رب (اللہ کے قُرب کا یقینی راستہ)	8	تلاشِ خالق (وجودِ خالق کے یقینی دلائل)
9	توحید (لا الٰہ الا اللہ)	10	رسالت (محمد الرسول اللہ)
11	حقوق العباد	12	پریشانیوں سے نجات کا حقیقی حل
13	پردہ: (پردہ کے ضمن میں مرد و عورت کیلئے قرآن وسنت کے احکامات)	14	اسلام کا قانونِ طلاق: (یک مجلسی تین طلاق کے ایک یا تین واقع ہونے پر اہم رہنمائی)

پمفلٹ اور بروشرز

مختلف اہم موضوعات پر زندگی تبدیل کرنے والی مختصر تحاریر: پمفلٹ اور بروشرز وغیرہ۔

استفادہ کیلئے ہماری ویب سائٹ وزٹ کریں۔

﴿آئیں دنیا و آخرت کی کامیابی کیلئے پیغام حق کی کاوش کو دوسروں تک پہنچانے میں تعاون کریں﴾

۞۞۞۞۞

منزل کی راہ میں حائل تین بنیادی گھاٹیاں: آخرت کے مقابلے میں دنیا، رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی/ شخصیت پرستی اور توحید کے مقابلے میں شرک ہے۔ ان تین عظیم حقائق (آخرت، رسالت اور توحید) کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر زندگی میں لانے والے خوش نصیب تو انشاء اللہ مراد کو پہنچ جائیں گے، جبکہ ان تین مظبوط بنیادوں سے غفلت برتنے والے منزل کھودیں گے۔ اس تحریر میں دوسری بڑی گھاٹی یعنی ''رسالت کے مقابلے میں آبا پرستی پر ضروری رہنمائی دی گئی ہے۔ رسالت کی گھاٹی کو عبور کرنے والے ہی حقیقت میں تیسری گھاٹی یعنی توحید کے مقابلے میں شرک کو پار کرنے کے قابل ہوں گے۔ چونکہ رسالت کا حقیقی تصور بھی نجات کے لئے ایک لازمی بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اسلئے یہاں بھی ابلیس پوری قوت سے حملہ آور ہوگا تا کہ رسالت کے حقیقی تصور سے لوگوں کو دور کر کے دیگر بہت سی چیزوں میں الجھا دے۔ اور حقیقتاً ایسا ہی ہوا ہے، رسالت کی اصل حقیقت سے دور کر کے ابلیس نے اپنا کام نکال لیا ہے۔ یہ تحریر گروہی تعصّبات اور افراط وتفریط سے بالاتر ہو کر رسالت کے ضمن میں حقیقی رہنمائی پر مبنی ایک منفرد کاوش ہے جو انشاء اللہ مکار ابلیس کی طاقتور چالوں کی کاٹ کر کے نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعلق کی صحیح بنیادوں کی بنا پر انسانیت کیلئے سعادت کی راہ کو واضح کر دے گی۔

(ہمارا عزم)

سچائی کی پیروی

www.khidmat-islam.com
khidmat777@gmail.com

Designed By: عبدالواسع 0307-4122161